۷۸۶
۱۱۷
۱۱۰

انتساب

بنام سید اسلم شرف مرحوم

(یہ تصنیف اپنے عقیدت مند ماموں زاد بھائی کے نام سے منسوب کرتا ہوں)

روح سخن

تصنیف : سیّد شاہ شرف الدین احمد جوؔہر مودودی شیخپوروی ؒ

مرتّب : سیّد اکرام الحق (ریٹائر ٹیچر)

پتہ

شہید فضل الحق کالج
شہید فضل الحق روڈ، واسع پور، دھنباد
پن - ۸۲۶۰۰۱

قیمت : پچاس روپے

۷۸۶
۱۱۷
۱۱۰

انتساب

بنام

سید اسلم شرقی (مرحوم)

(یہ تصنیف اپنے عقیدت مند ماموں زاد بھائی کے نام سے منسوب کرتا ہوں)

روحِ سخن

تصنیف : سیّد شاہ شرف الدین احمد جوؔہر مودودی شیخپوروی

مرتّب : سیّد اکرام الحق (ریٹائرڈ ٹیچر)

پتہ

شہید فضل الحق کالج

شہید فضل الحق روڈ، واسع پور دھنباد

پن - ۸۲۶۰۰۱

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ

قیمت : پچاس روپے

زاویۂ روح

پیش نظر مسودہ جناب سید اکرام الحق صاحب کی سعیٔ بلیغ کا نتیجہ ہے جس میں موصوف نے اپنے سگے ماموں سید شاہ شرف الدین احمد جوہرؔ شیخپوروی کے کلام کا انتخاب پیش کیا ہے جس میں حضرت شرف الدین احمد جوہرؔ کی چیدہ چیدہ رباعیاں غزلیں اور نظمیں ہیں اور نظمیں بھی مختلف عنوانات پر کاربند ہیں جن میں بیش قیمت آراء اور بصیرت افروز پند و نصائح کا گنجینہ ہیں۔ ہر رباعی اپنے پہلو میں ایک نیا آہنگ لے کر آئی ہے اور ہر نظم اپنے اندر روحانی فکر و فن کے ساتھ اس طرح ذہن کے بند دریچے کو وا کرتی ہوئی نہ صرف موصوف پر وجدانی کیفیت ظاہر کرتی ہے بلکہ قارئین کے ذہن کو بھی متاثر کرتی ہے۔ انکی پوری کائنات کے مطالعہ کے بعد ایک ایسا تاثر پیدا ہوتا ہے کہ جس پر لاکھوں ہستیاں بیخود ہو کر آہ و بکا کرنے کو بے چین ہو جاتی ہیں۔

موصوف کا کلام اپنے عہد کی جیتی، جاگتی اور بلبلاتی تصویر کی طرح فن و ادب پر نمایاں اور پائیدار عکس پیش کرتا ہے۔ جس پر لاکھوں سخنوارانِ عہد انگشت بدندان ہیں۔ یہ ایسی خوبیاں ہیں جنکو دوسرے لفظوں میں عصری حسیت کے الفاظ سے نوازنے کو جی چاہتا ہے ~~کا عام چرچا رہا~~

یوں تو موصوف مرحوم نے اپنے خطے پر جواد بار کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ جسکی لپیٹ میں پورا ملک آ گیا تھا۔ وہ تعصب اور فتنہ کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جسے عام فہم لفظ میں فساد کہتے ہیں۔ دوسری صورت آپکے کلام میں شخصیات سے متاثر ہو کر لکھی گئی نظمیں ہیں مثلاً "اندرا گاندھی" جواہر لال نہرو اور بھی دیگر انکے اعزا و اقرباء اور جلیس خاص ہیں۔ اپنے ہر کمتر و بالا کو اپنی نظروں میں یکساں سمجھا اور سبھی کو اپنی تخلیقات میں جگہ دے کر انکی شخصیتوں کو دوچند کر دیا ہے۔

موصوف نے باغ و بہار طبیعت پائی تھی یا قدرت نے آپکی طبیعت کو مثلِ باغ و بہار ودیعت کیا تھا جو موصوف کی جبلّت میں تاحیات قائم رہ گئی اور یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کے مصنف نے بھی انکی فطرت اور طبیعت کو ''طینت'' کے لفظ سے سراہا ہے۔ انکے کلام میں گنتی کے چند اشعار ایسے بھی نقل کیئے گئے ہیں جنکو مصنف نے کہیں قطعہ، کہیں بیت اور کہیں شعر یا مصرعہ کے الفاظ کے ساتھ قلمبند کیا ہے اور اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ انکے اشعار میں شاعر کی موصوف کو فکری بصیرت اور فنی نُدرت کے حسین مرقع نظر آتے ہیں۔

ظاہر ہے کے کسی فن کار کے فن پر تجزیہ و تنقید کرنے سے قبل اسکے قلب و جگر کے تعمق میں ڈوب کر گوہر اصلی کو تلاش کرنا ہوتا ہے۔ جب تک وہ شاعر کے بیکراں سمندر میں غوطہ نہیں لگائے گا اُس وقت تک اُسے اصلی موتی حاصل نہیں ہوسکتا لیکن شرط یہ ہے کہ شاعر کے ضمیر میں ڈوب کر صحیح وسلامت واپس آجائے اور کارآمد نتیجہ حاصل کرسکے۔ شیخ سعدیؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

به دریا دُر منافع بشمار است
اگر خواہی سلامت برکنار است

روحِ سخن کی وجہ تسمیہ دراصل یہ ہے کہ انکے بیاض کے مطالعہ کے بعد جو کچھ بھی نتیجہ برآمد ہوتا ہے اُسمیں انکی روح تڑپتی نظر آتی ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اُنکی زندگی کا حسین پیکر اور انکی شخصیت کا حسین گوشہ انکی شاعری میں قوتِ محاکات کی طرح جلوہ گر نظر آتا ہے، جو پیکر تراشی سے دور اور قوتِ محاکات کے بالکل قریب نظر آتا ہے یعنی اصل منظر کی مکمل تصویر نظروں سے اُوجھل

ہونے کے بجائے نظر کے سامنے تھرکتی رہتی ہے اور جب ایسی خوبیاں ہوں تو اس کارنامہ کا عنوان "روحِ سخن" ہو اور موصوف نے بھی یہ نام رکھ دیا۔

یوں تو مضمون طویل ہو چکا ہے لیکن مرحومؒ کی شاعری کے اور بھی کئی گوشے ہیں، جن میں ایک گوشہ انکی مختصر ترین مثنوی کا بھی ہے، جو سرِ دست دستیاب نہیں، اگر تلاش و جستجو کے بعد دستیاب ہوگی تو دوسرے ایڈیشن میں ضرور شامل کر دیا جائیگا بقول مصنف انشاء اللہ تعالیٰ

مختصراً! یہ کہ صاحبِ تصنیف جو خود بھی اس خاندان کے سلسلے کے ایک اہم فرد ہیں جنکی عزیز ترین اولاد سید فضل الحق فضلوؒ مرحوم جو بتاریخ ۲۸ راگست ۱۹۸۸ء بدنام زمانہ دہشت گرد کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرما کر جان بحق ہوئے اُنکے دلی جذبات کا اظہار مخمس کے بند کے ساتھ سپردِ قلم کیا ہے یوں تو شاعری کا ذوق انکو بچپن ہی سے تھا اور یہ بطور ورثہ میں عطا ہوا اگر چہ بحور داوزاں میں قدرے جھول نظر آتے ہیں اُنہیں نظر انداز کیا جائے۔

چونکہ یہ جذبات کی صحیح عکاسی ہے جو شامل تصنیف کر دی گئی ہے تاکہ اپنے دادا مرحوم کے روشن نام کے ساتھ اس فرزند عزیز کا نام بھی دنیائے ادب میں مینارۂ نور کی طرح ہمیشہ جلوہ افروز رہے۔

یہ مرثیہ درد و کرب اور رنج و تعب کے ایک حسین پیکر میں ڈھل گیا ہے جو مرصع الفاظ اور ضبطِ نفس کا ایک نمونہ ہے۔ روانی، سلاست، الفاظ کی چستی اور فن کی پختگی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اسکی خوبیوں کو دو چار لفظوں میں بیان کرنا تو مشکل ہے بس یہ سمجھ کر مطالعہ کیجئے کہ۔

مُشک آن است کہ خود بہ بوید نہ کہ عطار بہ گوید

مثال کے طور پر ایک بند ملاحظہ کیجئے۔

لختِ جگر شہید ہوا، باپ لٹ گیا ہے ہے
میری قسمت کا ستارہ ٹوٹ گیا ہے ہے

میرا دلبر، میرا جوان، چھوٹ گیا ہے ہے

جو تھا سرِ کوحیات، وہ روٹھ گیا ہے ہے

اب قرار ماں کو، نہ بابا کو چین آتا ہے

مزا حیات کا بیٹا کے ساتھ جاتا ہے

آگے چل کر مصنف کی اہلیہ جو پروفیسر اختر قادری مرحوم کی سگی بہن تھیں جنکی موت ۱۸ر اپریل ۲۰۰۰ء میں ہوئی

مصنف نے انکی دالہانہ محبت میں چند اشعار پر مشتمل ایک منظوم خاکہ پیش کیا ہے یوں تو الفت ومحبت کا اظہار شاہجہاں نے تاج محل بنوا کر کیا، ملٹن نے جنت ''گمشدہ'' ورڈ سورتھ نے لوسی موگر ے نام کی نظم لکھ کر، علامہ اقبالؒ نے اپنے فرزند جاوید اقبال کیلئے ''جاوید نامہ'' اختر شیرانی نے عذرا اور ریحانہ کے ناموں سے کئی نظمیں لکھیں اور پروفیسر جمیل مظہری مرحوم نے ''شیاما'' کے حوالہ سے نظمیں لکھکر اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔

آگر صاحبِ تصنیف نے اپنی اہلیہ کی یاد میں چند اشعار لکھکر اظہار محبت کیا ہے تو اسمیں کسی تذبذب کی گنجائش اور تنقید کی ضرورت نہیں۔ اگر چہ یہ نظم بحر و وزن میں قدرے جھول لگتی ہے مگر اس قسم کی خامیاں بزرگ شاعروں کے یہاں بھی رواں دواں ہیں چونکہ یہ اصلاح سے عاری ہیں اور انگریزی ادب میں بھی ایسے عیوب نظر انداز کئے گئے ہیں۔

سیّد ابو القاسم

۲۹/۸/۲۰۰۱

۷۸۶

عکسِ روح

اس کارنامہ کو راقم الحروف نے تمہید کی جگہ پر ''عکس روح'' کے عنوان کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔
جسکی اصل وجہ یہ ہے کہ راقم الحروف کے ماموں کی یہ ایک نشانی تھی جو راقم کے لئے افتخار اور جود وسخا کے پیکر تھے اور مرحومؒ کی بہت ساری خوبیاں ان میں بشکل دیگر موجود تھیں لہٰذا ''عکس روح'' کا عنوان دینے سے راقم کو قلبی سکون میسّر آتا ہے

علامہ سید شاہ شرف الدین احمد جوہر شیخپوری مرحومؒ اپنے عہد کے ایک بزرگ پایہ شاعر تھے جنکا خانوادہ شیخپورہ ضلع نوادہ (نالندہ) جو مسلمانوں کی ایک قدیم شہر نما بستی کے نام سے مشہور ہے۔ اسکے قریب ہنسوہ تھانہ جسکا فاصلہ صرف دو میل بجانب جنوب اور نرہٹ بلاک سے متصل شمال کی طرف محض ایک میل پر لبِ شاہراہ آباد ہے۔

یہاں راقم السطور نے بقدر اعزاز و صلاحیت لفظ ''علامہ'' کو موصوف کیلئے قصداً استعمال کیا ہے۔ یہ موصوف کی صحیح قدر و قیمت کا ازالہ ہے۔ نہ کہ خواہ مخواہ انکے نام کے ساتھ مسلط کر دیا گیا ہے۔

موصوف علم وفن کے دلدادہ اور فن وفکر کے مستند شاعر و ادیب اور علم و نقد کے بے باک رہنما تھے جنکی صلاحیت اور علم دانی کا عام چرچا رہا ہے۔

یوں تو علامہ کے تحقیقی معنیٰ مکارّہ کے ہیں لیکن اہلِ فن نے کہیں پر بھی کسی اہم شخصیت کو مکارّہ کے مفہوم سے ادا نہیں کیا ہے اور ہر جگہ اُسے بطور قدر دانی بڑا عالم کہا ہے۔

اب اگر راقم اُنکی صلاحیت اور تدبّر کو نظر انداز کر دے تو ایسے با کمال صلاحیت والے انسان کے ساتھ بے انصافی ہوگی موصوف مرحوم کے فن وکمال کا ایک ذخیرہ بطور بیاض اب تک محفوظ ہے اور یقین کامل ہے کہ اللہ تعالیٰ انکے بیاض کو تا قیامت محفوظ رکھیں گے اور اسکی

واضح وجہ یہ ہے کہ کسی خاندان کا نام ونشان تو اولاد کے ذریعہ سے دو پشت یا چار پشت تک ہی قائم رہتا ہے لیکن کسی ادیب کی تحقیق یا کسی شاعر کا دیوان کی اگر حفاظت کی جائے تو قیامت تک باقی رہ سکتا ہے۔ لیکن کسی کے نام پر کتبہ نصب کرا دینا تو قلبی سکون کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن وہ تو نا سازگار وقت کے ساتھ فنا ہو جاتا ہے' لیکن ادیب وشاعر کی تحقیق ہی اُسکے نام کو بقائے دوام بخشتا ہے ذوق مرحوم نے بجا فرمایا ہے۔

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوق

اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت

دیوان "روح سخن" پر تمہید مسرت لکھوں یا اپنی نا اہلی کا ذکر۔ بہر حال مجھے اس قدر ضرور کچھ لکھنا ہے کہ اسکی تمہید میں جاں بلب کیفیت کی سمائی جائے۔

مقدر ہو تو خاک سے پوچھوں اے لئیم

تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیا

اسے میری شومئی قسمت کہیئے یا مشیت ایزدی کہ میں عالمِ طفلی میں ہی تھا کہ سایۂ پدری سے محروم ہوا میرے اپنے واحد ماموں جنھیں میں ہمیشہ معمارِ اکرام کہہ کر خط لکھا کرتا تھا کے سایۂ عاطفت میں پروان چڑھا۔

موصوف ممدوح نے اپنی سات اولاد کی رفاقت ضبط وتحمل کے ساتھ برداشت کر کے ہم تین بھائی اور ایک بہن کی پوری نگہداشت اپنے ذمہ لے لی اور بحسن وخوبی از تعلیم تا شادی تمام امور کو انجام دیا۔

میرا چھوٹا بھائی سیّد احسان احمد جو بہت ہی وجیہہ خوب رُو اور تیز وطرار تھا گیارہ سال کی عمر میں گیارہویں شریف کی گیارہ تاریخ کو اللہ کا پیارا ہو گیا انا للہ وانا علیہ الراجعون ؎

یہ کربناک غم تھا کہ تا حیات میری حضرت جنتؒ میرے حضرت اموںجانؒ اور میری حضرت مانی جانؒ اور ہم دونوں بھائی اسے بھول نہ سکے۔ سبھی غم زدہ ہستیاں تو اللہ سے جا ملیں اور یہ بد نصیب کی تُخموں کے ساتھ اس غم میں بھی مبتلا ہے اور اب تو آخری منزل ہے۔ خصوصاً میری تعلیم و تربیت پر میرے حضرت اموںجانؒ کی بہت ہی مشفقانہ نگاہ رہی انکی گوناگوں شخصیت کا سب سے نمایاں اور روشن پہلو یہ ہے کہ وہ علم و ادب کے دلدادہ تھے۔ مطالعہ انکی فطرت نہیں ضرورت بن چکی تھی اور وہ پورا ذوق انہوں نے مجھے بھی ودیعت کردی۔ اچھی طرح یاد ہے کہ وہ مجھے بچپن سے ہی اخبارات و رسائل پڑھوانے اور غلطیوں کی اصلاح بہت ہی پیار سے کرتے اور آج جو کچھ بھی ادبی و شعری صلاحیت مجھ میں ہے وہ انکی کاوش اور نگہداشت کی مرہونِ منت ہے۔

حرمانِ نصیبی نے کچھ اس طرح از ابتداء مجھے اپنا نشانہ بنایا کہ حضرت اموںجانؒ کا دیوان تو شائع کرنا درکنار اِسے پورے طور پر محفوظ بھی نہ رکھ سکا۔ میں سرکاری ملازمت کے باعث تقریباً گھر گھر سے دور رہا اور میرے منجھلے بھائی سیّد انعام الحق مودودی چشتی جو گھر پر رہتے تھے کے پاس دیوان کا وافر ذخیرہ تھا۔ ۷ر جولائی ۲۰۰۰ء کو یہ بھی اللہ کے پیارے ہوگئے انا للہ وانا علیہ الراجعون ط وہ اب تک دستیاب نہ ہوسکا۔ اب ۔

کوئی دم کا مہماں ہوں اے اہلِ محفل

چراغِ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں

اس احساس کے پیشِ نظر مرحوم مغفورؒ کے جتنے کلام میرے پاس محفوظ تھے اُسے ''روحِ سخن'' کے عنوان سے شائع کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

مابعد پھر دوسرے ایڈیشن میں اضافہ ہوگا۔ انشاء اللہ۔

جو کچھ تھا میرے پاس خزانہ وہ رکھ دیا

باقی جو بچ رہے گا' وہ حاضر کرونگا میں

ایک بات اور عرض کرتا چلوں کہ میں اس کارنامہ کو اپنے حضرت امونجانؒ کے بڑے فرزند ارجمند سیّد اسلم شرف کے نام سے مُعَنوَن کرنا اس وجہ سے چاہا کہ میرے حضرت امونجانؒ نے اپنی ایک مشہور انام رباعی میں اپنے نام ونمود کی خواہش سے بے کنار رہنے کا اشارہ کیا ہے یا یہ کہئے کہ انکا نظریہ تھا کہ جب چاند بغیر زیور کے خوبصورتی کا حسین مرقع نظر آتا ہے اور ہر کیلئے دلدادہ اور ہر کی نظر میں پیارہ لگتا ہے۔ لہٰذا اگر ان میں خوبی ہوگی تو خود لوگ جان جائینگے یا یاد کرینگے۔

کہ کیسا خوش نما لگتا ہے دیکھو چاند بن گہنے

اور اسی عرض وغایت کی بنا پر اس تصنیف کو اپنے ماموں زاد بھائی کے نام انتساب کرتا ہوں۔

اس دیوان کو چار چاند لگانے اور جاذبِ نظر بنانے میں میرے بہت ہی دیرینہ مخلص جناب سیّد ابوالقاسم صاحب ایم۔اے۔ ڈبل ریسرچ اسکالر' گدھ یونیورسیٹی حال مقام قمر مخدومی روڈ واسع پور دھنباد سابق سپرنٹڈنٹ سی۔ ایم۔ پی۔ ایف آفس دھنباد جنکا شمار دورِ حاضرہ کے اردو کے اہلِ قلم کے صفحہ اوّل میں ہے اور دنیائے اردو ادب کیلئے انکی ذات گرامی خصوصاً بحیثیت ناقد شرمندۂ تعارف نہیں کا مرہون منت ہوں کہ انہوں نے پیش لفظ نئی جدّت ''زاویہ روح'' کا عنوان دیکر اور مجھے تمہید میں ''عکس روح'' کے عنوان کا ادبی مشورہ دیکر مع تعاون جو میری ہمت افزائی فرمائی ہے۔ بلاشبہہ وہ ایک نہ بھولنے والا احسان ہے۔

اب اپنے حضرت امونجانؒ کے وصال کے بعد راقم السطور کو ان میں جتنی خوبیاں نظر آئیں وہ بطور تحفہ عظیم پیش نظر ہے۔

اُمید ہے کہ قارئین اور قدر دان اسے سوہانِ روح سمجھ کر برداشت کرینگے۔

تمہیں کہتا ہے مردہ کون ، تم زندوں کے زندہ ہو

تمہاری خوبیاں زندہ تمہاری نیکیاں باقی

اسی تصنیف کے ساتھ راقم اپنے بیاض سے نظم ''کربناک صدا'' جو میرے شہید فرزند سیّد فضل الحق فضلو مودودی چشتی قادریؒ کی جانکاہ اور صبر آزما موت سے متاثر ہوکر لکھی گئی تھی منسلک ہے اور یہ انسلاک میری خواہش کے عین مطابق ہے۔ جسکا اشارہ ''زاویہ روح'' میں عظیم المرتبت ناقد اور اہلِ قلم جناب سیدّ ابوالقاسم صاحب نے اپنے نوکِ قلم سے دیا ہے۔ یقین کامل ہے کہ میرے اس درد میں کتنوں کا درد سمویا ہوگا۔ یہ نظم پینتیس بند پر مشتمل ہے

اس مرثیہ کے اشعار کے محاسن میں اپنے عزیز جناب نسیم اختر نسیمؔ صاحب جنکا شمار دھنباد کے نمایاں شعراء میں ہوتا ہے کی سعادتمندی کا معترف ہوں اور قدر دانی کا ممنوں کی خدمت شامل ہے دھنباد کے اُبھرتے ہوئے شاعر جناب سہیل فصیحی صاحب کے تأثرات جو نظم کی شکل میں ہے ملاخط ہو۔

قربان تیرے نام کے اے میرے بہادر تو جان سیاست تھا تو ایمان تدبُّر

معلوم تھا باطل کے مٹانے کا تجھے گُر کرتا ہے تیری ذات پہ دھنباد تفاخر

سوکھے ہوئے ہونٹوں پر صداقت کا سبب تھا

خنجر کے بھی سائے میں وہی کلمۂ حق تھا

شعلے کو سیاہی سے ملایا نہیں تو نے سر غیر کی چوکھٹ پہ جھکایا نہیں تو نے

وہ کون سا غم تھا جو اُٹھایا نہیں تو نے ہاتھ اپنا طلب کو بڑھایا نہیں تو نے

دامانِ وفا گھر کیلئے تم ہی نہ تو تھے فضلو !!!

بیٹے تھے برادر تھے اقارب میں تھے محبوب

ماں، باپ، بہن، بھائی کا اک خواب تھے فضلو!
تعبیر عجیب ہے کہ گراں تاب تھے فضلو! ! !

آخیر میں اپنی اہلیہ کی یاد میں نظم لکھی گئی ہے جنکی وفات ۱۲؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ بمطابق ۱۸؍اپریل ۲۰۰۰ء ڈیڑھ بجے شب کو میرے لئے دوسرا سانحہ عظیم تھا یا یہ کہتے کہ قیامتِ صغریٰ ثابت ہوئی کہ میری رفیق حیات (شریک حیات) میری دم ساز، میری ہم راز اور میرے چھیالیس سال گیارہ ماہ کی سوادِ حیات میری آنکھوں کے سامنے اللہ کو پیاری ہوگئی انا للہ وانا علیہ الراجعون ط یہ کیا معلوم تھا کہ میری ملکہ حیات جو بالکل صحت منداور چست ودرست تھیں "کُل نفسٍ ذائقۃ الموت کا جام پینے والی ہیں۔ موت اتنی اچھی کہ سورۂ مزمل کی مدد مانگی اور کلمۂ طیبہ پڑھ کر ابدی نیند سو گئیں اور میں تنہا بے یارو مدد گاران غموں کو برداشت کر رہا ہوں اہلیہ کی یاد میں دل کی تڑپتی اور بلبلاتی صدا چند اشعار پر مشتمل ایک نظم تیار ہوگئی ہے۔ اسے بھی شامل تصنیف کر رہا ہوں تا کہ راقم کو سکون قلبی حاصل ہو اور پسماندگان کیلئے میری یاد کا باعث ہو۔

نظم کا ایک شعر پیش خدمت ہے ۔

میری بیگم میری رفیق، میری شریک حیات
تجھ سے وابستہ رہیں سدا سوادِ حیات

ایس اکرام الحق (ریٹائرڈ ٹیچر)

۲۹-۸-۲۰۰۱

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

علاّمہ سیدّ شاہ شرف الدین احمد مودودی جوہرؔ شیخپوروی مرحوم۔ شیخپورہ ضلع نوادہ' بہار' مسلمانوں کی ایک قدیم شہر نما بستی ہے۔

جسکی اپنی ایک منفرد اور مثالی تاریخی حیثیت ہے کہ آٹھویں صدی ہجری بعہد سلطان فیروز تغلق ایک فانی فی اللہ بزرگ حضرت خواجہ سیدّ عبداللہ چستی' مودودیؒ رُشد وہدایت' علم وعرفان کی نشر واشاعت اور دعوتِ تبلیغ دین کیلئے با ایمائے حضرت مخدوم سیدّ شاہ شرف الدین یحیٰ منیریؒ تشریف لائے۔

حضرت خواجہ داداؒ کے اسلاف واکابر اب (پاکستان) صوبہ سندھ کے ضلع سکھر شریف کے مقام بھکر شریف کے رہنے والے تھے جو چشت سے متصل ہے۔

آپ کا سلسلہ نسبت سترہ واسطوں سے سلسلۂ چشتیہ کے شیخ الشیوخ حضرت خواجہ قطب الدین چشت مودودیؒ سے جاملتا ہے اور سیدّ نا حضرت امام حسینؓ بن علی کرم اللہ وجہہ پر منتہیٰ ہوتا ہے۔ بستی شیخپورہ ہنسوہ تھانہ میں اونچائی پر آباد ہے۔ ماقبل حضرت خواجہ داداؒ یہ کفر وضلالت اور بت پرستی کا مرکز تھا بنوّت قوم کی حکمرانی تھی اور یہ راجہ کا دار الخلافہ تھا اور راقم الحروف کا مکان اُسکا مسکن تھا۔ مسلمان جسے اُس زمانہ میں تُرک کے نام سے جانا جاتا تھا کا کہیں کوئی نام ونشاں نہ تھا۔

حضرت خواجہ داداؒ نے اِسی مقام کو سجدہ ریزی' یادِ حق' رشد وہدایت اور دعوتِ دین کے لئے پسند فرمایا اور وہ کرامات جسے حضرت مخدوم بہاریؒ نے ارشاد فرمایا تھا کا ظہور ہوا یعنی مسواک جو زمین میں دفن کی گئی ہری ہوگئی اور عصا جو زمین پر گاڑا گیا وہاں سے پانی نکل آیا جو خوبصورت کنواں آج بھی ''خواجہ کنواں'' کے نام سے معروف ہے اور جس کا آب اپنی شیرنی اور صحت بخشی کیلئے مشہور ہے اور ''داروئے شفا'' کے طور پر مستعمل ہوتا ہے

کچھ ماہ بعد ہی حضرت خواجہ داداؒ کے والد بزرگوار حضرت خواجہ سیدّ اسداللہ چشتی' مودودی

الملقب ''سلطان گنج نشیںؒ '' بھی اپنے صاحبزادہ کی تلاش میں اپنے وطن پاک سے براہ راست بہار شریف حضرت مخدوم بہاریؒ سے ملاقات کرتے ہوئے شیخپورہ آکر اپنے فرزند ارجمند سے ملے اور سکونت اختیار کرلی

پھر یہ مقام ذکروفکر، تعلیم و تلقین، رشدوہدایت کا ایسا مرکز بنا اخلاق و درس انسانیت کا وہ سبق شروع ہوا کہ لوگ بشوق حلقۂ بگوش اسلام ہوتے گئے اور جہاں اللہ اکبر کی صدا ممنوع تھی اطراف و جوانب اللہ کے پرستاروں سے گونج اٹھی۔

مابعد حکومتِ وقت نے حضرت خواجہ داداؒ کے پوتا حضرت شاہ تاج محمود حقانیؒ کے نام مواضعات اور اراضیات و جاگیرات کا فرمان شاہی جاری کردیا کہ معاشیات سے بےفکر اور یکسو ہوکر دعوتِ تبلیغ رشد وہدایت کا کام بحسن وخوبی چلتا رہا اور شکر خدا آج بھی اِس دورِ مادیت میں شمع حق روشن ہے اور خانقاہِ عالیہ چشتیہ کے سجادگان اس قدیم چراغ کی لو پر آنچ نہ آئے، ہمہ دم رواں دواں ہیں۔

شیخپورا کا ملکی ٹولہ محلہ جو حضرت خواجہ داداؒ کا مسکن تھا۔ اس خانوادہ میں ایک سے ایک عظیم یادگار شخصیتیں وجود میں آئیں۔ اُنہیں عظیم شخصیتوں میں ایک میرے دادا حضرت سیدّ شاہ احمد حسین چشتی مودودیؒ اور دوسرے میرے نانا حضرت سیدّ شاہ فرحت حسین چشتی مودودیؒ دونوں حقیقی بھائی تھے۔

اول الذکر خانقاہ کے سجادہ نشیں اور اخیر الذکر رئیسِ شیخپورہ تھے۔

میرے داداؒ کی دو اولادِ نرینہ اور دو دختر۔ پسر میں میرے بڑے ابا حضرت سیدّ شاہ سلطان احمد چشتی مودودیؒ سجادۂ خانقاہ تھے اور اپنے وقت کے ولی کامل دوسرے پسر میرے حضرت والد بزرگوار سیدّ شاہ محمد قاسم چشتی مودودیؒ جنکا انتقال عین عالمِ شباب میں ہوا جب میں مکتب میں پڑھتا تھا۔ اپنے والد بزرگوارؒ کی سیرت پر اس خاکسار کے دو اشعار۔

(۱) میرے ابا عابد تھے، زاہد تھے، قرآن خوان تھے

اپنے علاقہ کے پہلے مسلم انگریزی دان تھے!!

(۲) ملی داروغہ کی نوکری انکار کیا
کہ رشوت ہے ضمیر نے اصرار کیا

حضرت نانا" کے ایک پسر، دو دختر، ایک دختر کم عمری میں اللہ کو پیاری ہو گئیں۔

انا للہ وانا علیہ الراجعون ط

دوسری دختر راقم الحروف کی حضرت والدہ معظمہ" جو بہت ہی پاک طبیعت، خوددار، خدا ترس اور جود و سخا کی یادگار تھیں ۱۰/ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ بمطابق ۱۹۱۳ء بروز یکشنبہ کو عالمِ وجود میں آئیں اور چوراسی سال کی حیات پاک پاکر ۲۹/ ذیقعدہ بروز پنجشنبہ بوقت ۷/ بجے صبح ۱۴۱۶ھ بمطابق ۱۸/ اپریل ۱۹۹۶ء کو ۷/ بجے صبح کو اللہ نے اپنے پاس بلا لیا

انا للہ وانا علیہ الراجعون ط

میرے نانا" اور دادا" حقیقی بھائی تھے اور قرنِ اولیٰ کی یادگار جو بعد میں سمدھی بن گئے یعنی میرے دادا" کے صاحبزادہ سیّد شاہ محمد قاسم چشتی مودودی" کی شادی میرے نانا" کی صاحبزادی سیّدہ درگاہن النساء سے انجام پائی درگاہن النسا نام اسلئے رکھا گیا کہ میری حضرت نانی سیدہ شکور النساء" جو اسم باسمیٰ تھیں نے حضرت خواجہ دادا" کے آستانہ پر بیٹی کی منت مانگی تھی۔

میرے حضرت نانا" کی شادی "روہ" بلیچھی جو نجیب الطرفین سادات کی بستی تھی۔ وہاں کے حضرت سیّد شاہ تجمل حسین" کی صاحبزادی سے انجام پائی اور میرے حضرت امونجان" کی شادی "بڑی درگاہ بہار شریف" میں انجام پائی۔

میرے حضرت امونجان" کی پیدائش ۱۰/ رجب المرجب ۱۳۲۸ھ بمطابق ۲۱/ جولائی ۱۹۱۰ء بروز دوشنبہ ہوئی۔

۷/ اکتوبر بروز یکشنبہ ۱۹۸۴ء بمطابق ۱۱/ محرم الحرام ۱۴۰۵ھ کو چوہتر سال کی عمر پا کر

شیخپورہ کی یہ عظیم شخصیت خاندان مودودی کے اس روشن چراغ کا وصال ہوا اور اپنے اسلاف کے مقبرہ مسجد سے متصل مدفون ہوئے۔ انا للہ وانا علیہ الراجعون ط

میرے ماموں حضرت جوہرؔ کو سات اولادیں ہوئیں لیکن قدرت کی ستم ظریفی کہ بچپن میں ہی سبھی اللہ کو پیارے ہو گئے بڑے صاحبزادہ سید اسلم مرحوم جو بہت ہی حسین وجمیل خوبرو اور بہت ہی ڈیل ڈول کے تھے سات سال کی عمر پائی لیکن کمال صبر وضبط میرے حضرت اموںجانؒ کا کہ ان سارے ستم کو سہہ لیا اور ہم تین بھائی اور ایک بہن کی پوری سرپرستی میرے حضرت والد بزرگوارؒ کے وصال کے بعد اپنے ذمہ لے لی پرورش و پرداخت تعلیم وتربیت، شادیات ساری ذمہ داریوں کو بہت ہی تزک واحتشام سے نبایا اور نہ صرف یہ بلکہ اپنی پوری جائیداد ہم دونوں بھائی کے نام ہبہ کردی کہ میرے چھوٹے بھائی سید شاہ احسان احمد جو بہت ہی وجیہہ حسین اور بلا کے ذہین تھے گیارہ سال کی عمر میں گیارہویں شریف کی گیارہ تاریخ کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انکی یاد میں اس خاکسار کے دو اشعار ہیں۔

میرا چھوٹا بھائی، احسان تھا حسین و پروقار

عمر دس گیارہ، ذہین، نیک خو اور ہشیار !!

عمر نے وفا نہ کی گیارہویں شریف کی گیارہ کو

چھوڑ دیا دار فانی سدا ہم سبکے رونے کو

میری حضرت والدہؒ اور حضرت اموںجانؒ کی محبت ایسی بے مثال تھی کہ۔

میرے ماموں اور میری ماں کی بے پناہ محبت

خاندان کو یاد آتا تھا زینبؓ و حسینؓ کی محبت

صاحب دیوان "روح سخن" یعنی میرے معمار حضرت ماموں جانؒ نہایت باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے، سادگی بے تکلفی خوش اخلاق، بذلہ سنجی، حاضر جوابی حب الوطنی، ملت کا درد اور مشرقیت انکے کردار کا طرۂ امتیاز تھا اور صاف گوئی انکی طبیعت تھی۔

ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے خاندانی بزرگوں سے ہوئی۔ پھر بہار شریف کی مشہور درس گاہ "مدرسہ عزیزیہ" بہار شریف سے عربی فارسی اردو اور کچھ انگریزی کی تعلیم پائی۔ انہوں نے اپنے ذاتی ذوق کو خود جلا

بخشی اور انکی افتادِ طبع نے دل و دماغ کو پورا منوّر کردیا۔

سیاسی و مذہبی امور پہ انہیں ملکہ حاصل تھا۔ شخصیت باوقار تھی، رنگ گورا، سینہ چوڑا اور آواز میں دبدبہ، عزم کے پختہ، حوصلے کے بلند۔ مختصر یہ کہ ایک جاذب شخصیت کے مالک تھے سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اسم بامسمیٰ بنایا تھا۔ فراست و تدبّر میں کوئی انکا ثانی نہ تھا آج بھی اس بستی اور گرد و نواح کے لوگوں کو شدّت سے احساس ہے کہ ایسا مدبّر ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔ ذہن اتنا کشادہ اور غیر متعصبانہ کہ بلا امتیاز مذہب و ملّت سب اُنکے گرویدہ اور فدائی تھے۔

۴۷۔۱۹۴۶ء کی مسموم فضا میں علاقے کے کچھ اکثریتی طبقہ کے شر پسندوں کے نشانہ پر یہ بستی تھی لیکن درحقیقت مرحوم کی اپنی جوانمردی اور فراست تھی کہ شر پسندوں کو ہر مقام پر ناکامی ہی ناکامی ملی اور یہ سب انکی قیادت کی وجہ تھی یہ بستی اور پورا علاقہ فساد کی لپیٹ سے بچ گیا مرحوم کو خود مقام و رتبہ لینے کی تمنا کبھی نہ رہی اوروں کو مقام دیا اور دلایا۔ زمیندار تھے لیکن ذہنیت اتنی حرّیت پسند کہ رعایا ہر وقت ایک آواز پر جاں نثار ہونے کو تیار رہتی خوش گلو ایسے کہ مرثیہ خوانی، نوحہ خوانی پر سامعین کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں، پڑھنے کا لہجہ اور تیور ایسا کہ واقعات کربلا کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا اور دیکھا حال سامعین کو محسوس ہوتا ہے۔ میلادُ النبیؐ میں سلام پڑھنے میں اتنا درد اور سوز کہ سامعین بے خود ہو جاتے۔

زمینداری ختم ہوئی، گرام پنچایت نے جگہ لی لیکن انکا اثر و رسوخ ایسا کہ نہ یہ کھیا نہ سرپنچ اور نہ ہی ممبر کسی ادارے کے لیکن گرام کے تمام معاملات انصاف کیلئے اُنہیں کے پاس آتے اور فریادی کا مداوا ہو جاتا۔ مظلوم کی وہ دادرسی کہ ظالم کو ظلم کرنے کا موقع نہ ملتا۔ حوصلہ اتنا بلند کہ نامساعد حالات سے صلح تو درکنار کبھی گھبرائے نہیں۔

۱۹۳۴ء کے زلزلہ میں اپنا وسیع مکان بُری طرح متاثر ہوا اُسوقت موصوف مرحوم کی عمر ۲۴ سال تھی۔ میرے بڑے ابّاؒ عبادت و ریاضت اور حاجت مندوں کی حاجت روائی میں مصروف رہتے اور بقیہ سارا کام میرے حضرت اموںجانؒ کے ذمہ رہتا انہوں نے پورے وسیع مکان کو ازسرِنو تعمیر کروایا

بعض حاسدین اندر اندر خوش تھے کہ گیا انکا مکان، لیکن انکے حوصلہ کی پختگی کہ پورا مکان بعینہٖ قبل کے طرز پر بنوایا اور شکرِ خدا آج تک یہ مکان اسی طرز پر ہے بیچ بیچ میں صرف مرمت اور درستگی کا سلسلہ رہتا ہے۔

موصوف مرحوم و مغفورؒ اسی اثناء میں ایک مہلک مرض کے شکار ہو گئے جسکی وجہ سے انکی آنکھوں کی بینائی ختم ہو گئی لیکن انکی قدر دانی پر کوئی آنچ نہ آئی۔ اسی موقع پر مرحوم مغفور کی رباعی درج ذیل ہے۔

جب سے رخصت ہوئی بینائی ۔ مونسِ غم ہے اپنی تنہائی
شکر اللہ کا ہے اے جوہر ۔ پھر بھی باقی ہے تاب گویائی

مرحوم مغفورؒ کو بچپن سے ہی شعر و سخن کا فطری ذوق تھا۔ آمد تھی، کوئی بھی واقعہ جس نے انکے دل دماغ کو چھوا فی البدیہہ اشعار موضوع ہو جاتے اور تعجب تو یہ ہے اس صنف سخن میں انکا کوئی استاد نہیں تھا۔ گویا تلمیذ ربانی کہئے کہ شاعری کی ہر صنف پر انہوں طبع ازمائی کی اور اپنا جوہر دکھایا۔ غزلیں، نظمیں قطعات اور رباعیات میں انہیں وہ فطری ملکہ حاصل تھا کہ ذہن میں بات آئی اور اسی مناسبت سے رباعیات تیار ہو جائیں انکے دیوان میں غزلیں، نظمیں اور رباعیات کا ایک دافر ذخیرہ موجود تھا۔ لیکن ہم دونوں بھائی کی کچھ نامساعد حالات اور تساہل پسندی کے وجہ سے یہ قیمتی سرمایہ محفوظ نہ رہ سکا۔

اور اب جبکہ ضمیر نے مجھے جھنجھوڑا تو انکے کچھ کلام جو میرے پاس موجود تھے اور کچھ کلام میرے منجھلے بھائی سیدّ انعام الحق مودودی مرحوم جو ۴ / ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ بمطابق ۷ / جولائی ۲۰۰۰ء بروز جمعہ بعد نماز جمعہ مجھے اس دھرتی پر اپنا بھی سوگ منانے کیلئے چھوڑ گئے انا للہ وانا علیہ الراجعون ط کے بکس سے باوجود کوشش کے کامیابی نہ ملی۔

اب دیوان کا یہ حصّہ ''روحِ سخن'' کے نام سے حاضر ہے۔

آغاز اس دیوان کا ''صاحب دیوان'' کے اس شعر سے کر رہا ہوں ۔

اللہ کا شکر کہ اس دورِ ستم میں !!
باقی ہے ابھی زور میرے نوکِ قلم میں

حمد باری تعالیٰ پر مرحوم و مغفور کا یہ دل نشیں قطعہ جو عین مطابق حال کہ از ابتداء تا مرگ مرحوم کی زندگی کا یہ خاصہ رہا ۔

زبان پر اسی کی ہے حمد و سپاس
اسی سے بجھانی ہے دل کی پیاس
نہ اسکے سوا کچھ کسی سے غرض !
اُسی پر بھروسہ اُسی سے ہے آس

حضور پُر نور رسالت مآب ﷺ کی خدمتِ اقدس میں گلہائے عقیدت معاذ اللہ کہ انداز کتنا پیارا، ادا کتنی دلکش، انداز میں کتنا درد الفاظ کتنے سبک، سلامت اور روانی کے ساتھ ۔

ہم غریبوں کے آسرا تم ہو !
دین و دنیا کے پیشوا تم ہو !
اپنی کشتی بھنور میں ہے لیکن
ٹوٹی کشتی کے نا خدا تم ﷺ!!

سیرت پاک صلعم کے ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے ۔

ہے وہ جلسۂ سیرت کہ فرشتے جسمیں
مرحبا صلّی علیٰ پڑھتے ہوئے آئے ہیں
نغمۂ نعت نبیؐ چھیڑ دو تم بھی جوہر !!
ہے یہ رحمت کی گھڑی ابر کرم چھائے ہیں

ہندوستان کی سیاسی، معاشرتی، مذہبی و تمدنی حالات پر مرحوم مسلسل طبع آزمائی کرتے

رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تمام تحریکیں، سربراوردہ شخصیتیں، قابل لحاظ ادارے اور اہم واقعات جسکا کسی نہ کسی طرح تعلق انکے عہد سے تھا۔ ان پر انکی بصیرانہ نگاہ تھی اور ایک خاص انداز سے وہ انہیں نشانہ بناتے رہے۔ مضمون آفرینی اور زبان وبیاں پر قدرت حاصل رہنے کے سبب آمد تھی ہی معمولی واقعات کو بیان کر کے اس سے دوررس نتائج پیدا کرنا مرحوم کے ذہن وقلب کا بہت بڑا وصف تھا چنانچہ سیرت پاک صلعم کے ایک اور جلسہ میں علمائے دین سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں۔

سیرت پاک کے جلسہ میں آج مقامی علماء
اپنی تقریر سے ملّت کو کرینگے محضوظ!!
لیکن ان سے گذارش ہے کہ ازراہِ کرم
اختلاف سے ہم سبکو بھی رکھیں محفوظ!!

'زبان اردو' کی شان میں موصوف کی یہ حقیقت پر مبنی رباعی۔

کاش سن پاتے کبھی، مجھ سے کلامِ اردو
جنکو معلوم نہیں کچھ بھی، مقام اردو!!
سچ اگر پوچھئے تو کہنا ہی پڑیگا جوہرؔ
مئے توحید سے معمور ہے جامِ اردو،

مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بارگاہ میں موصوف کا قطعہ کس قدر جامع ہے اور یہ بھی حقیقت واضح کرتا جاؤں کہ مرحوم کے ان اشعار کے ورد سے آج بھی کتنے دردمندوں حاجت مندوں کی حاجت روائی ہو رہی ہے۔ ملاحظ ہو۔

مولائے کائنات ہیں شیرِ خدا ہیں آپ
دامادِ مصطفےٰؐ علی مرتضٰی ہیں آپؑ
حاجت روائی کیجئے، حاجت روا ہیں آپؑ
مشکل کشائی کیجئے، مشکل کشا ہیں آپؑ

بے شک ہیں آپؒ آج بھی سرتاجِ اولیا

آپؒ ہی کے دم سے ہے معراجِ اولیاء

اپنے مہلک مرض سے صحت یابی کیلئے آپنے خواجہ حضرت عبداللہ چشتی، مودودیؒ کے آستانہ پر حاضر ہوکر دربار خواجہؒ میں یہ پُر درد رباعی دیکھئے ۔

حاضر ہوا ہوں آپ کی خدمت میں اسلئے

گذری، جو گذری، اب خدارا سنبھالئے

بپتا سنانے آیا ہے جوہر مزار پر!!

اپنے کرم سے بس، میری بگڑی بنایئے

پھر دوسری بار آستانہ پر حاضری کے موقعہ پر موصوف کا لہجہ ۔

تیری چشم کرم کا بہت محتاج ہوں ساقی!!

نگاہِ لطف ہو جائے تو پھر منہاج ہوں ساقی

مصائب اور کوائب کی پریشانی ارے توبہ

کبھی ایسا نہ تھا ہرگز، کہ جیسا آج ہوں ساقی

مرحوم اپنی خاکساری، فروتنی کا اظہار یوں کرتے ہیں ۔

اپنی ملت کا بہرِ حال، پجاری ہوں میں

ویسے شکلاً فقط ایک بھکاری ہوں میں

میرے حالات کی تفصیل ارے توبہ توبہ

مختصر طور پہ سنئے کہ بہاری ہوں میں

پھر اپنا تعارف یوں دیتے ہیں ۔

پوچھتے کیا ہو ، بھلا مجھ سے حقیقت میری

اب کہاں ہے وہ ، جوانی کی سی ہمت میری

پھر بھی اللہ کا ہے شکر کہ اب تک جوہر
لوگ کرتے تو بہر حال ہیں عزت میری!!

☆☆☆

اب بھی باقی ہے عظمت رفتہ ہم سے !!
جو بھی رونق ہے وہ ہے آج بھی میرے دم سے
شاعرانہ اسے تم کہہ لو تعلّی لیکن
مرد مومن کبھی ڈرتے نہیں اٹم بم سے

☆☆☆

مانا کہ میرا نامۂ اعمال ہے سیاہ !!
یہ بھی صحیح ہے کہ مجھ سے سرزد ہوگئے گناہ
پھر بھی یہ عرض کردوں کہ میری نشست گاہ
لاریب ہے ، وہ آج بھی گویا نشانِ راہ

☆☆☆

جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ کچھ فخریہ نہیں
اپنا یہ شعر واقعی کچھ طنزیہ نہیں!!
سچ عرض کر رہا ہوں کہ میرا خدا گواہ
روئے سخن کس کی طرف ہو تو روسیاہ
یہ دور ہی ایسا ہے کہ اللہ کی پناہ!!
بھٹکا ہوا ہے آج کی دنیا کا سربراہ!!

مرحوم اپنے عہد شباب کو اپنی رباعی میں کتنے اچھوتے انداز سے پیش کرتے ہیں
کتنی ندرت ہے ، کیسی نزاکت ہے اور کسقدر ریبیا کی ہے۔

ہے بہر طور ' مجھکو اسکا غم
کہ ضعف پیری نے' کردیا بے دم
وہ جوانی کے دن ' اِرے توبہ
بھول سکتا نہیں ' خدا کی قسم

اب شاعر اپنی دلی جذبات اور تمناؤں کا اظہار کرتا ہے کتنا دل نشیں اور پراثر لہجہ ہے ۔

میری یہ ہے گذارش 'بالکل ہی عاجزانہ
چھوٹے نہ مجھ سے یارب' خواجہ کا آستانہ
بیکس و بے نوا ہے' یہ مشتِ خاک جوہر
بیت الشرف ہے' لیکن اپنا غریب خانہ

☆☆☆

پُر کیف زندگی تھی ' جو ماضی قریب میں
وہ کیف وہ سرور کہاں ہے ' نصیب میں
حسرت ہے 'آرزو ہے تمنا ہے بس یہی
آتی مجھے بھی موت دیارِ حبیب میں !!

☆☆☆

نالوں میں میرے کب تک یوں بے اثری ہوگی
اس دامن خستہ کی ' پھر بخیہ گری ہوگی
مٹ جائے گا دنیا سے 'یہ دورِ خزاں آخر
پھر شاخِ تمنا کی ہر شاخ ہری ہوگی

☆☆☆

میں فقیرِ بے نوا ہوں اور رہوں گوشہ نشیں !!

نام شرف الدین احمد ہے مگر ہوں کم جبیں !!

میں برا ہوں یا بھلا، جیسا بھی ہوں، جو کچھ بھی ہوں
نام لیوا خواجہٗ مودود کا ہوں بالیقیں !!

ملک میں بدامنی، تخریب کاری، ہندو مسلم فسادات سے متاثر ہو کر اضطرابی کیفیت میں مرحوم بہ شکل رباعی اپنے دلی جذبات کا اظہار یوں فرماتے ہیں۔

وطن میں ہر طرح پر آج بھی، فرقہ پرستی ہے
مگر کیا کیجئے اُسکو یہ بھی دیش بھگتی ہے
کچھ ایسا لگ رہا ہے، آج کے حالات سے جوہر
کہ طوفانِ بلا میں پھر مسلمانوں کی کشتی ہے

☆☆☆

مسلمانوں پہ کس درجہ ہے ظلم و ستم ساقی !!
نہ جانے کتنے گھر میں آج بھی ہے شامِ غم ساقی
نہ مونس ہے کوئی اسکا، نہ کوئی آج ہمدم ہے !
خدارا اس پہ ہو جائے، تیری نظرِ کرم ساقی !!

☆☆☆

چمن بندی ہے یا تخریب گلشن
جلایا جا رہا ہے ہر نشیمن !
تغافل کی کوئی حد بھی ہے جوہر
کہ ہیں خاموش سب شیخ و برہمن

بہار کے فسادات اور اسکا ایک ہلکا سا جھٹکا اپنے شیخپورہ کے واقعات سے مضطرب

بے چین ہو کر فرماتے ہیں ۔

دل بیمار میرا ، آج پھر مغموم ہے ساقی!!
فضاء پھر شیخوپورہ کی بہت مسموم ہے ساقی!!
شرف حاصل ہے جسکو آج بھی تیری غلامی کا
وہ ناکام تمنا' جوہر مظلوم ہے ساقی!!!

☆☆☆

کیوں بار بار ہوتا ہے جھگڑا بہار میں
ایک سنسنی سی پھیلی ہے قرب و جوار میں
شرفاء کی ہائے نگری میں سب کچھ وہ ہو گیا
ہوتا نہیں تھا جسکو ، کبھی اس دیار میں

☆☆☆

پھر موصوف اپنے دل بے چین کو اس دعائیہ رباعی سے مطمئن کرتے ہیں ۔

ہے میری دعاء ہر دم' حالات سدھر جائیں
سب جبر تشدد کے شیرازے بکھر جائیں
یہ قتل یہ خونریزی ' صد حیف یہ سفاکی
اب تو ہی بتا ظالم ' مظلوم کدھر جائیں

☆☆☆

اور حالات حاضرہ پر موصوف کی بصیرت افروز رباعیات ۔

آج کا دور' کچھ ایسا ہے کہ حیران ہوں میں
سر پہ وہ بوجھ گرا ہے کہ پریشان ہوں میں
اور حالات کی تفصیل ' ارے توبہ ! توبہ

مختصر یہ کہ بھارت کا مسلمان ہوں میں!!

☆☆☆

آج کے دور میں ہر ایک مسلمان اے دوست!!
مضطرب اور ہے حیراں و پریشاں اے دوست!!
باغبانی کا شرف تجھکو ہے حاصل لیکن!!
پھر نہ جل جائے کہیں دیکھ یہ گلستاں اے دوست

☆☆☆

آج پورے دیش کی حالت بڑی گمبھیر ہے
خاص کر اپنا یہ صوبہ ' غم کی ایک تصویر ہے
بابو جے پرکاش سے ' کاش کوئی پوچھتا '
خوابِ آزادی کی حضرت کیا یہی تعبیر ہے؟

☆☆☆

۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ فسادات کی لہر سے گھبرا کر جب مسلمان ہند مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) ہجرت کرنے لگے تو موصوف کی بصیرانہ و مدبرانہ نگاہ میں جو بات آئی اُسے قلمبند کیا اور بعد کے حالات نے اسے صحیح ثابت کر دیا فرماتے ہیں ۔

میرا کہا جو نہ مانو گے تو پچھتاؤ گے!
یہ بھی سن لو کہ وہاں قتل کئے جاؤ گے
چھوڑ کر اپنا وطن کچھ بھی نہ تم پاؤ گے
ایسا لگتا ہے پھر لوٹ کر گھر آؤ گے

☆☆☆

پھر مخلصانہ مشورہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

اس سے اچھا تو یہی ہے کہ نہ جائے کوئی
دوست' احباب' کے کہنے پہ نہ آئے کوئی

سقوطِ ڈھاکہ پر موصوف کی رباعی ۔

وہ کون سی جگہہ ہے جہاں خیر و شر نہیں
ہے کون سا مقام ' جہاں فتنہ گر نہیں
لیکن یہ المیہ ہے کہ بنگالیوں میں آج
سچ پوچھئے' تو کوئی بھی صاحب نظر نہیں

جبل پور کے فرقہ وارانہ المیہ سے متاثر ہو کر فرماتے ہیں ۔

نکلا ہے چاند عید کا' حسرت لئے ہوئے
سامانِ صد ہزار مصیبت لئے ہوئے
فکر والم سے آہ کلیجہ ہے پاش پاش
آئی ہے صبحِ عید قیامت لئے ہوئے

☆☆☆

پھر فرماتے ہیں ۔

آتی تھی پہلے عید ' مُسرت لئے ہوئے !!
بھارت میں اب یہ آتی ہے وحشت لئے ہوئے
حزن وملال ' یاس ورنج کچھ نہ پوچھئے
پھر آئی صبحِ عید ' مصیبت لئے ہوئے

☆☆☆

پھر حالات حاضرہ پر بہت ہی موثر انداز میں فرماتے ہیں ۔ انداز کس قدر شگفتہ' رواں دواں اور دل پذیر ہے ۔

کیوں مشقِ ستم ہے یہ کوئی بھلا کیا جانے!
بگڑے ہیں وہ کیوں ہم سے کون انکے سوا جانے
بدلی ہے زمانے کی کچھ ایسی فضاء جوہرؔ
تاریک ہے مستقبل، کیا ہوگا خدا جانے

☆☆☆

حُسن واخلاق کا پتلا تھا مسلمان کبھی
مالکِ جود و کرم تھا یہی انسان کبھی!
اب بھی ملتی ہے زمانہ میں نشانی اسکی
مرد مومن تھا، حاملِ قرآن کبھی!

☆☆☆

اپنے اللہ کو بس آج مہرباں کرلو
دل شوریدہ کو گر مائلِ قرآن کرلو
کام کرنے کا اگر ہے تو یہی ہے جوہرؔ
ہو سکے تم سے تو یہ کارِ نمایاں کرلو

☆☆☆

ضعف پیری ہے، ناتوانی ہے
کیسی ناشاد زندگانی ہے!
فکر عقبیٰ کی، چاہیے جوہرؔ
بس یہ دنیا، سرائے فانی ہے

☆☆☆

انصاف کی دنیا میں نوری ہیں نہ ناری ہیں

پھر ظلم و ستم ہم پر کیوں دیش میں جاری ہیں
بھارت کے سپوتوں سے کہنا ہے یہی جوہرؔ
تم دیش کے بھگتی ہو، ہم دیش بچاری ہیں

☆☆☆

پھر موصوف ولولہ انگیز انداز سے یوں ہمت افزائی فرماتے ہیں اور اپنی بصیرانہ اور روشن ضمیری پر یوں رقم طراز ہیں۔

میری یہ گزارش ہے ہر ایک پیرو جوان سے
گھبراؤ نہ تم آج کے اس دورِ خزاں سے
ہوتا ہی رہا ہے یہ زمانہ میں ہمیشہ !!
ہے کوئی جو نکالے تمہیں اس باغِ جناں سے

☆☆☆

ماضی میں سنا تھا، کبھی راوی کی زباں سے
آگاہ کیئے دیتا ہوں، اس رازِ نہاں سے
قزّاق تھا پر بن گیا وہ صاحبِ عرفان
لاریب جو چونکا تھا، مؤذن کی اذان سے

موصوف حالات کے ابتلاء کو دیکھکر بے چین ہو جاتے ہیں اور اپنا جوہر قلم یوں دکھاتے ہیں۔

سہمے سہمے سے مسلمان نظر آتے ہیں
خوف دہشت سے بے جان نظر آتے ہیں
کیا بتائیں تمہیں ہم حال مسلمانوں کا !!
مضطرب دل ہے، پریشان نظر آتے ہیں

☆☆☆

بڑی غمناک ہے رودادِ گلشن
جلایا جارہا ہے پھر نشیمن !!
خدا حافظ ہے بس انسانیت کا
محافظ ہی بنا ہے آج رہزن !!

☆☆☆

مسلمانوں پہ ہے کس درجہ اُف ظلم وستم ساقی
خدایا اس پہ ہوجائے تری نظرِ کرم ساقی
نہ مونس ہے کوئی اسکا نہ ہمدم ہے کوئی اسکا
بلاؤں میں گھرا ہے، آج بھی ہے شامِ غم ساقی

☆☆☆

مرحوم ومغفورؒ یاس وقنوطیت کے سدا مخالف تھے چنانچہ فرماتے ہیں ۔

وہ پھول جو مرجھایا تھا، کچھ دورِ خزاں سے
پھر ہوگیا شاداب ، وہ بلبل کی فغاں سے
صد شکر چہکنے لگے مرغانِ چمن پھر!!!
یہ تاب وتوانائی پائی خدا جانے کہاں سے

☆☆☆

وہ قوم جو جاگی تھی ، ابھی خواب گراں سے
افسردہ و رنجیدہ ہے اب سوزِ نہاں سے
حالات خطرناک یاں اب بھی ہیں لیکن !!
ایسا تو نہیں ہے کہ وہ مٹ جائے جہاں سے

☆☆☆

چنداپنے بزرگوں، مخلصوں کی موت سے متاثر ہو کر جوہؔر کی چند رباعیات اپنے ماموں ڈاکٹر سیّد غیاث الدین جو تقسیم ہند کے قبل کی ایک گرانقدر سیاسی شخصیت کے مالک تھے کی موت پر اپنا تاثر اس طرح پیش کرتے ہیں۔

سبق سیکھا تھا، لوگوں نے بہت کچھ انکی ہستی سے
کسے انکار ہوسکتا ہے ' انکی کیف و مستی سے
مگر دنیا ہوئی محروم ' آخر حیف اے جوہؔر
میرے مخدوم، مولٰنا غیاث الدین ' چشتی سے

☆☆☆

ملاّ جان محمد کے نام خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

علم و تہذیب کا وہ گہوارہ
روح پرور تھا جسکا نظارہ
سچ جو پوچھو تو آج بھی جوہؔر
ہے وہ ملّت کی آنکھ کا تارا

ہندوستان کی سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی کی صلاحیت اور تدبّر سے متاثر ہو کر مرحومہ کی تین رباعیاں۔

چست و چالاک، نظر آتی ہیں اندرا گاندھی
کتنی بیباک نظر آتی ہیں اندرا گاندھی !
دخترِ ہند انہیں کہنا بجا ہے جوہؔر !!!
صاف اور پاک نظر آتی ہیں اندرا گاندھی

(۲)

یاست میں یقیناً آج بھی ممتاز ہیں اندرا
جواہر کی ہیں بیٹی، مایۂ صد ناز ہیں اندرا

(۳۱)

الکشن کے نتیجہ سے یہ ظاہر ہوا جوہرؔ !!

عوام پر اب بھی اثر انداز ہیں اندرا !!

(۳)

اجڑے ہوئے دیار کی دنیا کہیں جسے

ہم دیش باسیوں کی تمنا کہیں جسے

محبوب رہنما ہے وہی آج دیش کی

وہ فخرِ خاندان کہ اندرا کہیں جسے

☆☆☆

یہ رباعیاں اسوقت لکھی گئی تھیں جب اندرا گاندھی وزیر اعظم تھیں۔ اور انکی خدمت میں بذریعہ ڈاک بھیجی گئیں تھیں اسکی رسید موصوفہ نے شاعر کو شکریہ کا خط بھی لکھا تھا۔

نزہت کوئی بر کے مشہور و مفکر، صاحبِ نظر، سیاست داں اور انکے رفیق قاضی سیّد محمد حسین کی انتقال پر اپنا تاثر یوں پیش کرتے ہیں۔

میرے دوست قاضی محمد حسین

بڑے صاف دل پاک طبیعت ہیں وہ

وہ جیسے بھی ہوں خیر، با ایں ہمہ

علاقہ کے بس ایک زینت ہیں وہ

☆☆☆

بہت محظوظ ہوتے تھے، وہ میری شعر خوانی سے

ہمیشہ جھوم اُٹھتے تھے، میری شعلہ بیانی سے

مگر غمناک آئی ہے خبر کچھ اس طرح جوہرؔ

کہ قاضی جی بھی آخر چل بسے دنیائے فانی سے

پیکر صدق و صفا قاضی محمد مرحوم!!

دل کا دورہ جو پڑا جانب فردوس چلے
روح فرسا تھا وہ منظر کہ جنازہ لیکر
جو چلے ساتھ' وہ با حسرت وافسوس چلے

☆☆☆

شاد عظیم آبادیؒ کی شان میں رباعی۔

واہ ! کیا خوب تھا عظیم آباد
جس نے پیدا کیا محمدؔ شاد
انکے پوتوں کا واہ کیا کہنا
ایک ارشاد ہے ' تو دوسرا بہزاد

☆☆☆

کشمیر کے سابق وزیر اعظم شیخ عبداللہ مرحوم کی (اسوقت کی) ایک غلط تقریر پر موصوف کے تأثرات۔

بھارت میں رہبری کی تمنا نہ کیجئے
کہتا ہوں دوستانہ ' ایسا نہ کیجئے
کرنا ہو جو بھی آپکو ' وہ کیجئے مگر
للہ پوری قوم کو رسوا نہ کیجئے

☆☆☆

مرحوم مغفور نے کافی نظمیں بھی بہت کہیں لیکن میرے منجھلے بھائی سیّد انعام الحق مرحوم کی اچانک اور بے وقت موت کے سبب نظموں کا وہ ذخیرہ جو انکے پاس تھا دستیاب نہ ہو سکا ہے لیکن میرے پاس جو نظمیں اور اپنی بڑی پوتی سیدہ شاکرہ سلمہا کی شادی کے موقعہ پر انکی نظم جو عزیز واقارب

کیلئے ۲۵/ مارچ ۱۹۷۳ء کو شادی انجام پانے کے موقع پر بطور دعوت نامہ چھپی تھی قلمبند کر رہا ہوں

اب ذرا میری التجا سنئے — ہو جو موقعہ تو مدعا سنئے
ہے بڑا بھانجا میرا اکرام — جسکی دختر کا شاکرہ ہے نام
اسی دختر کی ہوگی اب شادی — راس آئے یہ خانہ آبادی
ہے وہ بھونرا جو متصل دھباد — ہیں جناب امیر اس جگہ آباد
ان کا نورنظر جو ہے قاسم — یعنی رشک و قمر جو ہے قاسم
اس لختِ جگر سے ہے شادی — اسی لعل و گہر سے ہے شادی
عرض کرتا ہوں سب بزرگوں سے — اپنے احباب اور عزیزوں سے
اِسکی بھی آپکو خبر ہوگی — کہ شادی دھباد سے مگر ہوگی
گو پریشان ہے بہت اکرام — پھر بھی رہے مختصر سا پروگرام
شبِ ۲۴ چوبیس کو شامیانہ ہے — دور و نزدیک شادیانہ ہے
پھول سہرے کا کھل گیا آخر — دل نے جو چاہا مل گیا آخر
اور ۲۵ پچیس کی مبارک شب — لیکے آئی نوید کا پیغام
یعنی اُس دن بارات آئیگی — پھول سہرے کا ساتھ لائیگی
بعد مغرب کے ہوگا عقد و نکاح — ہے یہی مشورہ ' ہے نیک صلاح
ناشتہ کے بعد جب رخصتی ہوگی — سارے کنبہ کو ایک خوشی ہوگی
اور آخر میں یہ گذارش ہے — میں یہاں ہوں مگر شفارش ہے
کہ لائیں تشریف مجھکو سرفراز کریں — ہم بھی اپنی قسمت پر ناز کریں
ہے اُمید کہ آپ آئینگے — سبھی بچوں کو ساتھ لائینگے

اپنا خادم ہمیں بنا کر - ماخضر میرے ساتھ کھائیگے

میں ہوں اللہ سے یہ فریادی - ہو مبارک خدا کرے شادی (آمین) ۴۸-۱۹۴۷ء میں
ملک میں عام بدامنی تخریب کاری اور قتل و غارت گری سے متاثر ہو کر بے اختیار یہ نظم موجود میں آئی۔
جسکی ماہیت اور صداقت صاحبان نظر کیلئے آج بھی ہے۔

وحشت سی برستی ہے ' سہا ہوا انسان ہے
پھر ملک کی اقلیت حیران و پریشان ہے
بربادی کا خطرہ ہے ' بربادی کا سامان ہے
پھر فرقہ پرستی کا اڈا ہوا طوفان ہے
اس دور تعصب میں ہر دل ہے پراگندہ
بدلی ہوئی حالات ہے ' ہر عقل پریشان ہے
کیا جانئے کب آخر دنیا میں قرار آئے
حالات سے گھبرا کر مایوس مسلمان ہے
کچھ فرقہ پرستی کی بڑھتی ہوئی طاقت ہے
نہرو سا مدبّر بھی ' انگشتِ بدنداں ہے
ہنگامۂ محشر سا برپا ہے زمانے میں
ٹوٹی ہوئی کشتی کا اللہ نگہباں ہے
گھبرانے سے کیا حاصل ' گھبرانے سے کیا ہوگا
ناداں نہ بن اے دل ' مشکل تیری آساں ہے
حالات سے اس درجہ اچھی نہیں مایوسی !!
تو صاحبِ ایماں ہے ' تو مردِ مسلماں ہے
اِس نالہ و شیون سے کچھ بھی تو نہیں حاصل

مایوس نہ ہو ہرگز ، کیوں اتنا ہراساں ہے
ہے اپنے چمن میں تو صیاد کا ڈر کیسا !!
تو پھول ہے گلشن کا ، تیرا بھی گلستاں ہے
بے خود کئے دیتی تھی ، محفل کو غزل جسکی!
شائد کہ وہی جوہرؔ پھر آج غزل خواں ہے

مرحوم و مغفور جوہرؔ کی یہ معرکتہ الارا نظم بھی ملاحظہ ہو۔

سلطانئ جمہور کا آیا ، جو زمانہ !!
سب نقشِ کہن ہو گیا ، ماضی کا فسانہ
لوکھیت سے دہقاں کو ، میسر ہوئی روزی
بیکار ہے اب خوشۂ گندم کو جلانا
دنیا میں غریبوں کو ملی ، عزت و دولت
کاخِ اُمراء کا ہے کہاں ، آج ٹھکانہ !!
اُبھری ہے بڑے زور سے پھر فرقہ پرستی
مل جُل کے ہمیں چاہیے بس اسکو دبانا
لادینئ حکومت کا سہارا ، لئے جوہرؔ
ہم بڑھتے چلیں ، چاہے بگڑ جائے زمانہ

☆☆☆

اب مرحوم مغفور جوہرؔ کی یہ دردبھری نظم بھی ملاحظہ ہو۔

بڑی پردرد ، میری داستاں ہے
زمین دشمن ہے، دشمن آسماں ہے
جلایا ظالموں نے ، جس چمن کو

اُسی گلشن میں ، میرا آشیاں ہے

نہ پوچھو مجھ سے حالِ گلستاں تم
ابھی باقی ، وہی دورِ خزاں ہے
نکل کر ہم ، کہاں جائیں چمن سے
ہمارا بھی تو ، آخر گلستاں ہے
بھروسہ تھا مجھے جس باغباں پر!
میری قسمت ، وہ مجھ سے بدگماں ہے
خدا حافظ ہے ، اب اس قافلہ کا
نہ منزل ہیں نہ میرِ کارواں ہے
نہ جانے کیوں ، ہے مجھ سے کج آدائی
وہی میں ہوں ، وہی پیرمغاں ہے
کسی کی یاد میں آہ و فغاں ہے
خلش ہے درد ہے سوزنہاں ہے
ذرا سی دیر کو آجا مسیحا ! ! !
مریضِ غم تیرا ، اب نیم جاں ہے
کلیجہ تھام کر ، وہ پوچھتے ہیں
مزارِ حضرتِ جوہرؔ کہاں ہے

☆☆☆

اب موصوف کی دردبھری آواز میں قلب وذہن کو چھو جانے والی نظم ملاحظہ ہو۔

نشیمن وہی ہے ، وہی گلستاں ہے

وہی سرزمین ہے ، وہی آسماں ہے
وہی ماہِ انجم ، وہی کہکشاں ہے
میرے لب پہ کوئی ترانہ نہیں ہے!!
نہ ہے آدمیت ، نہ ہے بھائی چارہ
مگر آج اپنا زمانہ نہیں ہے
وہی چاند سورج میرے درمیاں ہے
ہے فرقہ پرستی کا بس ایک نعرہ !!
ہو گردش میں ، جیسے کوئی آبشارہ
کہ ہے قومیت ، بھی یہاں پارہ پارہ
ہے اک جنس نایاب، شائد محبت !!
کہ ہے آج بھائی سے بھائی کو نفرت!!
میرے ملک کی آج حالت ہے کیسی!!!
جدھر دیکھئے ، حیف وحشت ہے کیسی!
وطن دشمنوں کی شرارت ہے کیسی !
جوانوں کی ، اپنی جسارت ہے کیسی!!
ہے دو ناؤ پردیش بھکتوں کی بھگتی!!
عجب کیا ہے ، کہ ڈوب جائے یہ کشتی

اپنے وصال سے دو ماہ قبل اپنے جذبات و کیفیات کا اظہار بہت ہی موثر انداز میں فرمایا ملاحظہ ہو۔

11 مجھے دنیا میں رہنا تھا اسیرِ کارواں ہو کر
مگر جی رہا ہوں آج تنگِ خاندان ہو کر
اور اسکے ساتھ بھی یہ عرض کرتا ہی چلوں جوہر

کہ جانا ہے مجھے دنیا سے بے نام ونشاں ہو کر

لیکن اس خادم نے اپنے حضرت اموں جان ؒ کا مقبرہ پختہ کرا کر کتبہ تو لگا دیا اور اب یہ دیوان اپنے حضرت اموں جان ؒ کے بڑے صاحب زادہ سیّد اسلم شرف مرحوم جو سات سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے کے نام اس دیوان کو منسوب کر رہا ہوں ۔

دوسری رباعی ۔

تمنا تھی کہ اس دنیا میں رہتا' شادماں ہو کر!!
مگر میں جی رہا ہوں' آج کل نیم جاں ہو کر
کوئی دو سال گذرے ہیں کہ شاید آج تک جوہر
پڑا ہوں چار پائی پر بہت ہی ناتواں ہو کر!!

پھر فرماتے ہیں ۔

میرا دل پاش پاش ہے اے دوست
جانے کس کی تلاش ہے' اے دوست!
جس کو احباب ' کہتے ہیں اے جوہر
آج ایک زندہ لاش ہے اے دوست

اضطرابی کیفیت میں پھر یوں فرماتے ہیں ۔

میری قسمت بگڑ گئی اے دوست!!
دل کی دنیا اُجڑ گئی اے دوست!!
فکرو دانش مری ' ارے توبہ!!
وہ بھی مجھ سے بچھڑ گئی اے دوست!

پھر فرماتے ہیں ۔

دنیا بدل چکی ہے، مگر جی رہا ہوں میں!!
دامن ہے تار تار اسے سی رہا ہوں میں
ساقی کی اک نگاہ کرم ہے کہ آج بھی!
ٹوٹا ہوا ہے جام، مگر پی رہا ہوں میں

پھر بیساختہ لہجہ میں اپنی دلی آواز یوں پیش کرتے ہیں۔

ہم کہاں ہونگے، کہاں میری کہانی ہوگی
ختم دنیا سے میری شعلہ فشانی ہوگی
پھر بھی اُمید عزیزوں سے یہی ہے جوہر
بعد مرنے کے میری فاتحہ خوانی ہوگی

بہر کیف، شعلہ بیانی میں تو یہ دیوان ہے اور شکر خدا ہر سال ۱۱ر محرم الحرام کو بڑے پیانہ پر یہ خاکسار فاتحہ خوانی کرتا ہے پھر اپنی حقیقت اظہار یوں فرماتے ہیں۔

مجھے گلشن میں رہنا تھا بہارِ بے خزاں ہوکر
چمکتا تھا زمانے میں معجز بیاں ہوکر
تمنا دل کی دل ہی میں رہی صد حیف اے جوہر!!
مگر زندہ ہوں ابتک، خادمِ اردو زباں ہوکر

پھر شکرانہ انداز میں فرماتے ہیں۔

بُرا حال ہے لیکن جُراتِ رندانہ باقی ہے!
غنیمت ہے کہ میری ہمتِ مردانہ باقی ہے!
زمانہ گو مخالف ہے مگر شکر خدا جوہر!!
یہ کیا کم ہے کہ ابتک زینتِ کاشانہ باقی ہے

پھر اپنے انداز میں جو مرحومؒ کی طبیعت تھی فرماتے ہیں۔

کوئی نغمہ ، نہ کوئی ساز ہوں میں!!
پھر بھی سن لو ، سخن نواز ہوں میں
ویسے بوڑھا تو ہو چکا ، لیکن!!
مونچھ داڑھی سے بے نیاز ہوں میں

اک مولوی سے میری ملاقات ہوگئی
کچھ پوچھنا تھا ، پوچھ لیا بات ہوگئی
جب دیر ہوگئی تو بہت برہمی کے ساتھ
کہنے لگے کہ جایئے اب رات ہوگئی

☆☆☆

میرے حضرت اموں جان جوہرؔ نے ٹھیک اپنے وصال سے پندرہ دن قبل ہم دونوں بھائیوں کو اپنی بغل میں بیٹھا کر بہت ہی مشفقانہ انداز میں یہ رباعی سنائی میرے بھائی سیّد انعام الحق مرحوم نے بھی تاحیات اس پر عمل کیا اور بدنصیب بھی اس رباعی کا عامل ہے۔

میری باتوں پہ یقیں تم کو بھی کرنا ہوگا!!
گر نہ مانو گے میری بات مرنا ہوگا !!
کھول کر کان ذرا اور بھی سن لو اک بات
دوست، دشمن کو بہر حال پرکھنا ہوگا !!

شاعر کے قلبی کیفیات کا یہ منظر بھی ملاحظہ ہو۔

ستم و جور کو ہر حال میں سہنا ہی پڑا!!
تم نے جس طور پہ رکھا، ہمیں رہنا ہی پڑا
ساز خاموش، مگر ہائے کروں کیا جوہر
بات میں بات نکل آئی تو کہنا ہی پڑا!!

شاعر کے قلبی و ذہنی اضطراب کا اقرباء و احباب کے گذر جانے اور ترکِ وطن پر تاثرات ۔

احباب و مخلصین میرے سب گذر گئے!!

باقی جو بچ گئے تھے' اِدھر سے اُدھر ہو گئے

جوہر خدا گواہ کہ یارانِ میکدہ! ! !

پر کیف زندگی' میری برباد کر گئے!!

مسکن حضرت خواجہؒ سے موصوف کی وابستگی کی شان میں اشعار ملاحظہ ہو ۔

ماضی کی ساری باتیں گو ہو چکیں فسانہ!

یاد آرہا ہے ' پھر بھی گذرا ہوا زمانہ!!

مستیوں کے وہ دن ' وہ محفلِ شبانہ!!

وہ انکی گفتگو کا اندازِ دلبرانہ ! ! !

دعا اپنی یہی ہے ' ہر دم عاجزانہ! ! !

چھوٹے نہ ہم سے یارب خواجہؒ کا آستانہ

یوں تو مرحوم موصوف کے بیاض میں جو مختلف موضوعات پر ایک متعدد پہ حصہ ہے ایسا بھی ہے جن پر خامہ فرسائی کیلئے بہت گنجائش باقی ہیں۔ لیکن مضمون کی طوالت اور قارئین کی سماعت کا خیال رکھتے ہوئے اپنی تحریر کا اختتام مرحوم مغفورؒ کے اس بیت پر کرتا ہوں تا کہ قارئین کی دلچسپی باقیات پہ قائم رہے

حاضر ہوں ترے در پہ تمنا لئے ہوئے

حسرت' اُمید' آس کی دنیا لئے ہوئے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کرب ناک صدا

مُصنّف

ایس اکرام الحق مودودی ؒچشتی قادری اشرفی

شیخپوروی ؒ دھنبادوی

موت اسکی ہے کرے جس پر زمانہ افسوس
ورنہ دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لئے

بخت کے مارے بدنصیب باپ کا اپنے کڑیل، جواں، خوبرو، خوش گلو سپوت سعید اور شہید بیٹا سیّد فضل الحق فضلو مودودی، چشتی قادریؒ کے نام غمناک باپ کی کربناک صدا اور امنڈ تے جذبات کا اظہار بشکل مرثیہ بھی شامل تصنیف ہے۔ ۲۸/اگست ۱۹۸۸ء بمطابق ۱۴/محرم الحرام ۱۴۰۹ھ بروز اتوار بوقت ۸/بجے شب والدین کا عصائے پیری، اپنوں اور خاندان کا سرمایۂ افتخار، قوم کا ناز، ملک کا اُبھرتا معمار، ظالموں درندوں، خوں خواروں، منافقوں اور اولادِ یزید کے ابلیسانہ چال کا شکار ہو کر اپنی خود ساختہ کانگریس آفس میں شہید ہو کر شہدائے کربلا سے بلاشبہ جاملا۔ آمین

لیکن ہم سب کی بدنصیبی اور حرماں نصیبی کہ ہملوگوں کی یہ متاعِ حیات، اسطرح لٹی کہ فضلو کا یہ داغ مفارقت ہم سب کی زندگی کیلئے ناسورِ دل بن گیا۔

ستم کہ میرے یہ سپوت صاحبزادہ جب قومی ایکتا کمیٹی بہار کے اور بہار پردیش کانگریس کمیٹی (آئی) اقلیتی سیل کے جنرل سکریٹری کے اعزاز سے افتخار ہو کر ۱۹/اپریل ۱۹۸۶ء کو واسعپور اپنے گھر آئے تو میں نے انہیں پھولوں کا ہار پہنا کر اپنے دلی جذبات اور اپنی مسرتوں کا اظہار نظم کی شکل میں کیا تھا۔ جسے اس مرثیہ کے اختتام پر قلمبند کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

یہ کیا معلوم تھا کہ اس گھر کے اُجالے کیلئے جسکے سپرد میں نے اپنی بہار کی تھی۔ وہ مجھے ہی اپنی بہار لوٹا کر ایک ایسی منزل کی راہ لے گا۔ جہاں ہزار جتن کے باوجود ہم سب کی رسائی قبل از وقت نہیں ہو سکتی۔

۱۸/اگست ۱۹۸۹ء بمطابق ۱۵/محرم الحرام ۱۴۱۰ھ بروز جمعہ میرے اس سپوت کی یوم برسی تھی۔ چار روز قبل دل کا عجب حال ہوا اور پھر اُمنڈ تے جذبات نے مرثیہ کی شکل اختیار کر لی۔ جسے یوم برسی، بعد نمازِ عصر بابو فضلوؒ کے مزار پر چادر پوشی کے بعد پڑھا اور پھر بعد نمازِ مغرب بابو کی آفس میں یہ موقعہ میلاد النبی صلعم یہ مرثیہ پڑھا۔ ہر آنکھ اشک بار تھی اور ہر دل غم زدہ۔

نوٹ: بطور تظمین انیس مرحوم کے مرثیہ سے تین بند کے کچھ اشعار بطور صلۂ رحمی ماخوذ ہیں کہ راقم کے مرثیہ میں رونقِ عجمی کی صفت آجائے یہ مرثیہ ۳۵ بندوں پر مشتمل ہے

بدنصیب باپ

سیّد اکرام الحق

۱۷راگست ۱۹۸۹ء (بروز پنجشنبہ)

مرثیہ بنام شہید سیّد فضل الحق فضلو مودودی، قادری، شیخو روی، دھبادوی ؒ

(۱)

میرے فضلو اہم سکی زلست کے اعتبار
تم گئے، گیا ہم سب کے دل کا قرار !!
بہارِ نو تھے تم، گئے، گئی ہم سب کی بہار !!
دلِ بیقرار کیسے لاؤں میں اب دل کا قرار !

تیری جدائی نے ہر ایک دل کو توڑ دیا بیٹا!
آہ اماں، باپ کو رونے کیلئے چھوڑ دیا بیٹا

(۲)

ماں، باپ کے سہارا تھے تم
بھائی بہنوں کے آسرا تھے تم
اپنے غیروں کے ملجا و ماویٰ تھے تم
ملک وقوم کے رہبر و مسیحا تھے تم

تم گئے بیٹا ! الٹ گئی کائنات
تم گئے بیٹا ! الٹ گئی متاع حیات

(۳)

تھا خوش نصیب کہ تم سا پسر پایا !!
ماں خوش تھی ، شادماں کہ دُرِ گھر پایا !!
بھائی ، بہن شادماں کہ طاقتِ نظر پایا
طاقت نظر گویا مرادوں کا گھر پایا
تیری جدائی میں اب یہ حال ہے ہم سب کا
کلیجہ پاش پاش ہے جگر خستہ حال ہے ہم سب کا

(۴)

گھر کو ہے قلق کہ گھر نہ بسایا تم نے!
ماں کو ہے اَلم ، کہ شادی نہ رچایا ہم نے !
بھائیوں کو ہے، حسرت کہ جشن نہ دیکھا ہم نے
بہنوں کو ہے غم ، کہ نیگ نہ مانگا ہم نے!
تیری اولاد جو ہوتی تو یہ دل بہل جاتا
ہزاروں رنج و غم میں بھی یہ دل بہل، جاتا

(۵)

مرد مجاہد تھے ، صداقت کے علمبر دار تم!!
تھے اخلاق کے پیکر جود و سخا کی یادگار تھے تم!!
بے سہاروں کے سہارا، دردمندوں کے غمخوار تھے تم
سر پہ استحصال کے لٹکی ہوئی تلوار تھے تم!

(۴۶)

آج سبھوں کو ہے الم انسان کا مسیحا چلا گیا
خصوصاً واسعپور کی قسمت کا ستارہ چلا گیا

(۶)

ہائے ہائے آیا' یہ کیسا مہینہ
ہائے لٹ گیا' دل کا خزینہ
رہے گا یاد ۱۴ محرم ۱۴۰۹ھ کا مہینہ
اسی شب ڈوبا ہے زندگی کا سفینہ
دل پہ ہے چوٹ کہ دل پاش پاش ہے بیٹا
کدھر جاؤں کہ نراس ہی نراس ہے بیٹا

(۷)

لٹا گئے میری چھبیس سال کی دولت
ہوئے جو بیاہ کے قابل تو کر گئے رحلت
وہ رخ' وہ حسن جوانی وہ شان و شوکت
نظر سے چھپ گئی ہے' ہے وہ چاندسی صورت
صاحب اولادوں سے اب انصاف طلب ہے
اے فلکِ پیر' تجھ سے فریاد طلب ہے

(۸)

پسرِ شہید ہوا باپ لٹ گیا ہے ہے
میری قسمت کا ستارا ٹوٹ گیا ہے ہے
میرا دل بر' میرا جوان چھُٹ گیا ہے ہے
جو تھا عصائے پیری وہ روٹھ گیا ہے ہے

اب قرار ماں کو نہ بابا کو چین آتا ہے
مزاحیات کا بیٹے کا ساتھ جاتا ہے

(۹)

شاکرہ زار زار ہے کہ بیٹا کی طرح پالا تھا
شہنو کہتی ہیں میرا بھائی میری تقدیر کا سہارا تھا
آفتاب و فیروز ہیں سوگوار فضلو ہم سب کا سہارا تھا
طلعت کا غم الآماں تو مقدر کا اجالا تھا

تمہارے گزرنے سے کم نہیں یہ جانکاہ منظر بیٹا
خدا شاہد ' دل حزیں پہ ہے نشتر ہی نشتر بیٹا

(۱۰)

کوکھ جب ماں کی جلی ' خواب میں کہتی ہے پسر آجا
سن کے گنگا دمودر کی آواز ' کہتی ہے دلبر آجا!
ہر شب و روز چھت پہ جا کہتی ہے نظر آجا!
آہ میرا فضلو آجا ' میرا نور نظر آجا !

ہو کے مایوس وہ کہتی ہے بلالے مولا مجھکو
لحدِ فضلو کی کروٹ میں ہاں سلادے مجھکو (ہوا بھی یہی)

(۱۱)

تمہاری دادا کی اس غم میں آنکھیں ہو گئیں بے نور بیٹا
گھر کے افراد کی خوشیاں بھی ہو گئیں دور بیٹا
میری تقدیر پھوٹی اور حسرتیں گو ہو گئیں رنجور بیٹا
جلائی شمع نے آخر اس گھر کو مثلِ طور بیٹا
کلیجہ پہ ہے چوٹ ظالم نے تم سا شیر کو مارا ہائے ہائے
اپنی بے ذری کا عالم نہ پہنچا مجھ ... بے سہارا ہائے ہائے

(۱۲)

پدر کی زیست کا اب آسرا نہ رہا
قوی تھا جس سے کلیجہ وہ دلربا نہ رہا
نظر میں نور تھا جس سے وہ مہ لقا نہ رہا
مرکزِ حیات تھا حیف وہ سہارا نہ رہا

پسر کا داغ کلیجہ کو توڑ دیتا ہے
فضلو کوئی بھی باپ کو یوں چھوڑ دیتا ہے

(۱۳)

ابنِ مجرم ابنِ مجرم فہموا نے مارا ہے تم کو
وہ ظالم ، ہے کتنوں کا ہے قاتل معلوم ہے سبکو
وہ اولادِ یزید کی نشانی کیا جانے قرآن کو
تم یادگارِ حسینی ، تم نے سمجھا عظمتِ قرآن کو

میرا پسر شہید ہوا ، امر ہے کائنات میں
تو ملعون، ذلیل و خوار ہے نظرِ مخلوقات میں

(۱۴)

متعجب ہوں نمک کھا کر بھی اچھا صلہ دیا تو نے
ارے ظالم اُس بچّے کا آخر خون کیا تو نے
قرآن کو طاق پر رکھ کر بہلاوا دیا تو نے
منافق بن کے بھائی سے کیوں ایسا کیا تو نے

نہ گھبرا اے ظالم! تو اپنے کئے کی سزا پائیگا
یہ اک انسان کا خون ہے یقیناً رنگ لائیگا

(۱۵)

تیرے ساتھ اور بھی تھے، جو ظلم کے ڈھانے میں
ہائے شرم نہ آئی اسے تیرا ' ساتھ دینے میں
تھے نمک خوار سبھی بابو کے بابو کے زمانے میں
ان سبھوں کا نام لکھا ہے میرے قلب خانہ میں

مگر خاموش ہوں، مصلحت ایزدی کا تقاضہ ہے
کہ ان اللہ مع الصابرین ہمارا وظیفہ ہے

(۱۶)

قاتلو ' ظالمو نہ سمجھو کہ کمزور ہیں ہم!
تم سب مٹو گے آخر یوں اب بھی شہہ زور ہیں ہم
عزم ہے ہمت ہے علیؑ کے شیر خوار ہیں ہم
خدا شکر قصاص کیلئے تیار ہیں ہم

مگر نہ کر پا رہا ہوں کچھ، انتقام خدا پر چھوڑا ہے
خدا سے بڑھکر نہیں قہار کوئی اس پر بھروسہ ہے

(۱۷)

قرآن کی ہر بات سچی قرآن کا فرمان سچا ہے!!
اللہ کبھی ظالم کا مددگار نہیں یہ اللہ کا وعدہ ہے !!
قاتلانِ حسینؑ کا انجام دنیا نے آنکھوں سے دیکھا ہے
اللہ کا عذاب، مختار کی تلوار سے دنیا نے دیکھا ہے

قاتلو! ظالمو عذابِ الہیٰ سے تم سب کو چھٹکارا نہیں
بے گناہ، بے قصور نسلِ حسینیؑ کا خون اللہ کو گوارہ نہیں

(۱۸)

یہ جشنِ شہیداں ہے اے ابن یزید مناؤ تم بھی!
سرکارؒ نے کہا تھا جو جرأت ہے قیامت کی دکھاؤ تم بھی
ظالم کو چھوٹ ملتی ہے مشرک سا بن جاؤ تم بھی!
کافر سا مٹو گے ، آخر خود سے جو بچ پاؤ تم بھی!

اے ابنِ یزید ہے فضلو کا نام زندہ' تا حشر رہیگا باقی
مٹ جائیگا تجھ سا' نہ کوئی بشر رہے گا باقی (آمین)

(۱۹)

کس حوصلے سے تم نے بنایا تھا آفس پیارے
لہو کے رنگ سے گو سجایا تھا آفس پیارے
گھر کو ویران کر آباد کیا تھا آفس پیارے
وہی مقتل تھا جسکو بنایا تھا آفس پیارے

تم کو منع کیا تھا واں آفس نہ بناؤ بیٹا
دشمنوں کو گلے یوں نہ لگاؤ بیٹا

(۲۰)

مرتبہ بلندی کا ابنِ یزید کیا جانے بیٹا !
تو فلک نشیں فضلو! یہ پلید کیا جانے بیٹا !
فلک رو یا زمیں روئی یہ یزید کیا جانے بیٹا
حکمران جھکائے سر ' یہ پلید کیا جانے بیٹا

چھوٹی سی عمر تھی' شہرتِ دوام پائی تم نے
صاحب نظر سے قدرِ دوام پائی تم نے

(۲۱)

بہ ایں ہمہ لوگوں نے نہ دی گواہی پرواہ نہیں
خدا شاہد ہے، گواہی کی مجھے چاہ نہیں
اللہ کی عدالت، عدالت ہے لوگ آگاہ نہیں
اللہ بصیر و شاہد ہے اللہ کو گواہ کی پرواہ نہیں

اللہ کی عدالت میں مقدمہ کو ہے سونپا بیٹا
وہ عادل ہے اسی پر ہے فیصلہ چھوڑا بیٹا!

(۲۲)

گیا زمانہ سے پیاسہ ہائے وہ میرا جانی
لگا کے برچھیاں کیا خوش تھے ظلم کے بانی
حیف انصار تم بھی نہ لا کر پلا سکے پانی
سرفراز! تم ہی کہو کیسے رُکے اشکوں کی روانی

وفا کی قسم کھا کے اہل شقاوت نے ہم کو لوٹ لیا ہمکو
خداوند! تو شاہد ہے سگانِ شام نے لوٹ لیا ہمکو

(۲۳)

تمہاری موت نے دی اک سبق آئندہ پیارے
کہ مجاہد مر کے بھی رہتے ہیں یہاں زندہ پیارے
تم رہے عزت وقار سے پائندہ پیارے
روئے زمین پہ کہاں تجھ سا نمائندہ پیارے

تا حدِ نظر نماز جنازہ میں انساں کا ازدھام تھا بیٹا
دوکانیں بند تھیں دلوں کا کاروبار نا تمام تھا بیٹا!

(۲۴)

تمہاری قبر پر تھا اژدھام کا یہ عالم
اہلِ دھباد نے دیکھا تھا نہ بھیڑ کا یہ عالم
چھوٹے بڑے، بوڑھے تھے اشکبار، تھا یہ عالم
کلیجہ منہ کو آتا تھا سبھوں کا، تھا یہ عالم

سبھی اپنے ہیں، کوئی غیر نہیں یہ ثابت کیا تم نے
عظمتِ کردار کبھی جاتی نہیں یہ ثابت کیا تم نے

(۲۵)

لحد پہ تیری قُل کے روز بعد مغرب کا ماجرا
میں غم زدہ تھا قبر پہ مع عزیز و اقربا
آئی ندا اچانک یہ قبر سے تیری بیٹا
اللہ ہر اک صابر کے ساتھ ہے ابا

تمہارے اس وظیفہ پر عمل کر رہا ہوں بیٹا
کلیجہ منہ کو آتا ہے کہاں میں ڈر رہا ہوں بیٹا

(۲۶)

قرآن کا پاس کیا، منافق و ظالم کو اپنا سمجھا
صلہ میں نصیب تو شہادت کا خدا نے بخشا
خلق میں چرچا تمہارا، عرش پر ہے ذکر تمہارا
لحد پہ انوارِ الٰہی قدرت کے کرم کا ہے اشارہ

مگر میں تو ٹوٹ گیا بیٹا کہ خونِ جگر سے پالا تھا
اندھیرا کیوں نہ ہو گھر میں کہ تو گھر کا اجالا تھا

(۲۷)

اا محرم تمہارے دادا کے فاتحہ پہ تمہاری وہ بات
میرا فاتحہ کب کیجئے گا بتایئے نہ جلد یہ بات
ایک ماہ سے سمٹ کر تمہارا سونا وہ میرے ساتھ
یہی سب تھیں بزرگی کی باتیں نہ سمجھا ہیہات
آج انہیں باتوں سے کلیجہ چھلنی چھلنی ہے پیارے
تم نے کھائی جسم پہ برچھی ادھر کلیجہ پہ برچھی ہے پیارے

(۲۸)

پئے فاتحہ جب بھی جاتا ہوں تمہاری لحد پر
انوارِ الٰہی ہمہ شب پاتا ہوں تمہاری لحد پر
کشادگیٔ قبر روح پرور محلتا ہوں تمہاری لحد پر
خوشبوؤں کی برات جو پاتا ہوں تمہاری لحد پر
انوارِ الٰہی دیکھکر لگتا ہے کسی ولی کا مزار ہے یہ
دبدبۂ و جاہ سے لگتا ہے ابنِ علیؑ کا مزار ہے یہ

(۲۹)

باوجود اسکے تمہارے عقیدت مندوں کی تعداد بہت ہے بیٹا
کسی نامعلوم نے جوشِ عقیدت میں چونے سے مزار کو ہے پوتا
بھگت سراج چمیلی کے پھول اپنے ہاتھوں سے ہے لگایا
اور یہ بدنصیب گلے میں جو ڈالا تھا اُسے لحد پہ ہے سجایا
ماسوا اسکے کہاں کچھ ہے یہی دل کے بہلانے کا ہے کھلونا بیٹا
آج برسی پہ تمہاری پھول 'چادر ہے اک نذرانہ بیٹا

(۳۰)

اک بار بعد نماز عشاء اپنے خالق سے کہہ رہا تھا برملا
کُن فیکون تیری شان کرم کرے فضلو کو حیات نو عطا
تو شاہد ہے میں گڑگڑاتے بے خبر جب ہو گیا
غیب سے ہاتف نے دی صدا' جا تیری ہو گئی مقبول دعا
اس دن سے انتظار ہے میرا فضلو ضرور آئیگا
کاندھے پہ بوڑھے باپ کا جنازہ لے جائے گا

(۳۱)

میرے بھائی میرے بازو میری کمر انعام
آرزوؤں سے پالے کو ڈھونڈ لاؤ انعام
آفتاب و فیروز آؤ ہاں تم سب تیز گام
قاسم و شکیل کرو جلد اب کار کا اہتمام
رات فضلو نے بصد شوق جو خبر دی ہے
ایک بزرگ نے آمدِ فضلو کی بھی خبر دی ہے

(۳۲)

اب دنیائے دنی سے جی گھبرا گیا یارب
قسمت میں لکھدے موت دل اکتا گیا یارب
ارض و سما کے مالک ' سن لے التجا یارب
ہاں بلالے مجھکو یہی دل کی ہے صدا یارب
اب تمنا ہے کہ آغوشِ فضلو میں جگہ مل جائے
وہ جو سویا تھا ساتھ ' قُرب میں اسکی جگہ مل جائے (آمین)

(۴۳)

اللہ کے پیارے فضلو! تم پر لاکھوں سلام
محمدؐ کے دلارے فضلو! تم پر لاکھوں سلام
علیؓ کے چہیتے فضلو! تم پر لاکھوں سلام
حسنینؓ کے تارے فضلو! تم پر لاکھوں سلام

تم جو شہید ہوئے تاریخ کربلا یاد آیا سب کو
ادھر یہ قلق کہ فلک پیر نے رلا دیا سب کو

(۴۴)

چراغِ خانوادۂ مودودی، تجھے جنت مبارک ہو (آمین)
شمعِ سلسلۂ چشتیہ، تجھے جنت مبارک ہو (آمین)
لعلِ سلسلۂ قادریہ، تجھے جنت مبارک ہو (آمین)
میرے فضلو، مرے بیٹے تجھے جنت مبارک ہو (آمین)

تمہاری دعاء تو مقبول بارگاہِ ہے بیٹا
بلا تو مجھکو یہ آخری التجا ہے بیٹا

(۴۵)

تھی فکر لکھوں، تیری تاریخ اور سال وفات
اب تو ہوگئے عنقا یہ کہنے والے یہہات
اسی اُدھیڑبن میں سو گیا کہ ہوئی یہ کرامات
کان میں آئی صدا، اُٹھ لکھ جلد یہ بات

ہاں تیرا بیٹا فضلو ہے اب جدِ اکبر و قاسم کے ساتھ
ہاں کھانا کھاتا ہے وہ دادی فاطمہؓ کے ساتھ (آمین)

بابو فضلوؔ جب قومی ایکتا بہار کے اور بہار پردیش کانگریس کمیٹی (آئی) اقلیتی سیل کے اعزاز سے افتخار ہو کر اپنے گھر واسع پور آئے تھے۔ تو انہیں یہ درج ذیل نظم پڑھ کر پھولوں کا ہار پہنایا تھا۔

(۱) میرے لختِ جگر! تو ہے میری زندگی کا اعتبار
تجھ سے وابستہ ہے میرے گوشۂ دل کا قرار

(۲) کامرانیٔ عظمت و عزّت سے میں مسرور ہوں
محسنِ انسان ہے تو اسلئے مغرور ہوں

(۳) دعا ہے میری کہ تو ہمیشہ شاد و آباد رہے
تیری زندگی میں سدا، جنونِ فریاد رہے

(۴) تو رہِ نوردِ شوق، منزل آئے، نہ کر قبول
روبرو لیلائے وقت، گر آجائے، نہ کر قبول

(۵) بے خطر بڑھے جانا، دنیا کا دستور ہے پیارے
بڑھ کے آگے دیکھنا ذہنی شعور ہے پیارے

(٦) تجھے پھولوں کا ہار پہنانا باعثِ مسرت ہے آج
بس اِس کی لاج رکھنا یہی حسرت ہے آج

(۷) یہ شاعری نہیں کہ واہ واہ کی صدا گونجے
باپ کی تمنا ہے تیرے دل میں اُترے

(۸) بظاہر چند پھولوں کا یہ ہار ہے بیٹا
کیسے بتاؤں مرے دل کا ناز ہے بیٹا

(۹) نوجواں ہے خدا تیری جوانی رکھے بے داغ
دہر میں تیری ہر اک کہانی رکھے بے داغ

(۱۰) تیری زندگی میں سدا کامرانی رہے
میری زندگی میں بھی شادمانی رہے

(۱۱) کبھی حزن و یاس نہ آئے تیرے گلشن میں
سدا بھولے پھلے کلیاں اُمیدوں کے چمن میں

(۱۲) دل مغموم کی صدا ہے تو سن لے بیٹا
میرے ارماں کی لڑیوں کو چن لے بیٹا

(۱۳) عادی بن جانماز کا زندگی امتحان ہے پیارے
تلاوت کر قرآن کا یہی شعورِ ایمان ہے پیارے

(۱۴) باپ کا جارا گر تو ماں کا مسیحا بن !
بھائی بہنوں کی آنکھوں کا تو تارا بن

(۱۵) رہے دولت علم سے محبت تجھے
رہے عظمتِ خاندان سے رغبت تجھے

(۱۶) تو گر ' چاہتا ہے قوم و ملک کا نگہبان بننا
تو پہلے سیکھ اپنی زندگی کا رازداں بننا

(۱۷) نہ آئے غصہ کبھی سامنے تیرے
رہے لطافت زباں پر سدا تیرے

(۱۸) شام زندگی ہے میری ' سفر کا اختتام ہے پیارے
رہے بھائی بہنوں میں اتحاد یہی پیغام ہے پیارے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک پر درد نظم جس میں واردات قلبی کا اظہار ہے راقم نے اپنی (شریکِ حیات) کے نام ضبط تحریر میں لائی ہے۔

(۱)

میری بیگم، میری رفیق، میری شریک حیات
تجھ سے وابستہ رہیں، سدا سوادِ حیات

(۲)

حسن کی دیوی تھی تو، وفا کی تھی پیکر
صبر و ضبط اور تحمل کی مجسم تھی پیکر

(۳)

عمر رہی تری پینسٹھ، پرشباب ایسا
پیری رہی شرمندہ، تھا تیرا حجاب ایسا

(۴)

تیرا رخسار، ترا تبسم، تیری اَدا کیا کہنا
اپنے چمن کی حفاظت میں ترا ایثار کیا کہنا

(۵)

نام صالحہ، تاحیات صالحہ رہی تو
جود و سخا، دردمندوں کی مسیحا رہی تو

(۶)

موت پر تری غیر بھی، کم نوحہ خواں نہیں
حلقہ کشادہ اتنا کہ کم ثنا خواں نہیں

(۷)

قبل شادی ہم دونوں میں کوئی آشنائی نہ تھی
سرزمینِ بلباری سے کوئی رشتہ داری نہ تھی

(۸)

میرے استاد معظم متو صاحب نے لائی یہ منسوب
میرے معمار ، میرے ماموں کو بھائی یہ منسوب

(۹)

تمنّا تھی پہلے لڑکی کو دیکھ لیا جائے
جرأت کہاں تھی ، معمار سے اظہار کیا جائے

(۱۰)

تب اپنے وطن پاک کی مسجد میں جا کے سربسجود
عرض کی اللہ سے خواب میں دکھادے اسکا وجود

(۱۱)

اللہ کا کرم عالمِ نیند میں دیکھا یہ خواب
ہاتف نے دی صدا ، دیکھ ہے یہ گلاب

(۱۲)

دیکھا دبلی ہے ، پتلی ہے نازک اندام ہے
چہرہ پُر نور ہے اور گردن ثریا انداز ہے

(۱۳)

زلف ہے کہ ساون کی گھٹا کا گمان ہے
لب زبانِ میرؔ ، پنکھڑی گلاب کی شان ہے

(١٤)

حیا کی پیکر ہے پُروقار ہے اور مست چال ہے
نچھاور ہیں سب انکے گھر کا یہ حال ہے

(١٥)

الٰہی شکر تیرا ' احسان تیرا ' اکرام تیرا
جلد ہو اس لڑکی سے رشتہ انجام میرا

(١٦)

میری نانی ' میری ماں ' گھر کے سب افراد
ہوجائے شادی اک بار ' سب کا تھا اصرار

(١٧)

بیر پروفیسر قادری کی عاجزانہ صلاح نکاح
بھاگیا ماموں کوانداز ' ہوا میرا نکاح

(١٨)

۵ رمئی ۵۳ء کو اپنے گھر پر آئے بلباری سے لوگ
ہوا نکاح' دین مہر ۲۱ ہزار' ہوئے مسرور 'دسترخوان سے لوگ

(١٩)

۱۲ر دسمبر ۵۵ء میں ہوئی باوقار شادی
تھی بات دو زمینداری کی ' ہوئی باوقار شادی

(٢٠)

اُدھر کا دسترخوان بھی ' اقرار ہوا مقابلہ خوب ہے یہ
کمرے میں پہنچا ' دیکھا ' میرے خواب کی حور ہے یہ

(۲۱)

نمازِ شکرانہ پڑھا، عہد و پیاں ہوئے تا زندگی ساتھ کا
حضورؐ ہیں پابندِ عہد میں بھی ہوں پابندِ حیات کا

(۲۲)

میرا گھر کچا، میری سسرال کا بھی گھر کچا
آنگن ہوا پختہ، بہو کو لگے نہ کیچڑ ہلکا

(۲۳)

تھے اس دور کے یہ لوگ، لحد نشیں ہوئے
چھوڑ ان یادِ ماضی، کوئی ہم نشیں نہ رہے

(۲۴)

شیخپورہ و بلیاری میں رہتا تھا قیام سب کا
سرزمینِ دھنباد میں، میں سرکاری ٹیچر تھا

(۲۵)

۱۵/ اگست ۶۹ء میں لایا اہلیہ اور بچوں کو دھنباد
دو ماہ پٹکی میں رہا قیام پھر بسیرا آ گیا دھنباد

(۲۶)

۱۸/ اپریل ۲۰۰۰ء ۱۲/ محرم ۱۴۲۱ھ شب بدھ گری مجھ پر بجلی
میری اہلیہ نے پندرہ منٹ میں کر دیا دنیا میری اندھیری

(۲۷)

چست تھیں اچھی تھیں، شب سوا ایک بجے یکایک سانس اکھڑی
تکلیف نزع نہیں، کہا سورۂ مزمل مد، پڑھ کے کلمہ سو گئیں ابدی

(۲۸)

وقتِ مرگ سامنے تھا میں ، کچھ نہ کر سکا بیگم
دوائیں تھیں، روپئے تھے مگر میں نہ ہل سکا بیگم

(۲۹)

بجز دم سامنے کوئی چارہ نہ تھا بیگم
مگر مرا دم تجھے راس نہ آنا تھا بیگم

(۳۰)

ہاں ہوا یہی فضلو آئے تیری استقبال کو
سبز پرندے بھر گئے تیری ملاقات کو

(۳۱)

خود کلمہ پڑھا ، بنا سہارے لیٹ گئی تم
نبض پکڑا میں و ڈاکٹر ہاشم پر سو گئی تم

(۳۲)

تمہاری علامتِ جنت تھا موسم خوشگوار، آ گئے، سب تمہارے لوگ
بعد نمازِ مغرب جنازہ میں ہزار کا مجمع ، سو گئیں مدہوش

(۳۳)

ہوا قُل، چہارم، دسواں بیسواں اور چہلم شان سے
مساکین نے کھایا، تلاوت ہوئی بخشا گیا شان سے

(۳۴)

ساتھ دینے کا کیا تھا، تو نے وعدہ
اب بتا بیگم! میں باوفا کہ تو باوفا!!

(۳۵)

خواب میں آجاتی تو شاید بہل جاتا میں
رازِ دل کہہ کے کچھ سنبھل جاتا میں

(۳۶)

گر نہیں منظور یہ' کرا یہ دعا قبول
بُلا اپنے قرب میں کرا یہ دعا قبول

(۳۷)

فضلو کی شہادت ہی کتنا بڑا ستم
مجھے چھوڑ گئی تو ' ہے کتنا بڑا غم

(۳۸)

تیری رفاقتوں کو نہ بھولے گا دل کبھی
تنہا مجھے چھوڑ کے تم سوئے عدم گئیں

(۳۹)

اب شب و روز یہ شعر وردِ زبان ہے
یہی میرا حال ہے' یہی میری زبان ہے

(۴۰)

خدا سے ہے التجا جنّت کی کھڑکی کھلی رہے صدا
روزِ جزا جنّت ملے وہ ' جو چاہے دل تیرا

قلم بند کرتا ہوں اب تیری یاد سینے سے لگائے

(۴۱)

پھلا پھولا رہے چمن تیرا، نسل سدا تیری آبادر ہے
خود کفیل رہے، خوشحال رہے، آبادر ہے (آمین)

(۴۲)

تیرے وجود سے تھا اپنا وجود باقی
تو گئی، اب کہاں کوئی میرا ساقی

(۴۳)

قلب کے اضطراب میں ذہن کے انتشار میں
رنج و الم میں یاس میں افکار میں

(۴۴)

بن جاتی تھی ڈھال تو سمجھاتی تھی اس انداز سے
بھول جاتا تھا میں غم، تیری اس انداز سے

(۴۵)

گھر وہی، لوگ وہی، تم نہیں، بات ہے اب ایسی !
چہل نہیں، رونق نہیں، اپنا پن نہیں، بات ہے اب ایسی

(۴۶)

فطرت تھی سدا رازِ دل حالِ دل کہنے کی
حالات وہی تم نہیں، اب نہیں حالِ دل کہنے کی

(۴۷)

کتنی گھٹن ہے، اذیت ہے کسے کہیں ہم
اضطراب دل کو اب کیسے بہلائیں ہم

(۴۸)

حالات نے افکار نے کیا ہے یہ اصرار
زبانِ غالبؔ میں کرتا ہوں یہ اقرار

(۴۹)

چل کر رہیے ایسی جگہ جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو، ہم زبان کوئی نہ ہو

(۵۰)

خدا ہو اور کوئی ویراں سی جگہہ ہو
کھانے کو ملیں پتیاں اب ایسی جگہہ ہو

(۵۱)

مگر بیگم حالات نے گھیرا ہے کچھ ایسا
باوجود چاہ، موقع نہیں ملتا ہے ایسا

(۵۲)

وقتِ مرگ تمہارا دیکھنا مجھے بھولے انداز سے
دیا ہے تحفہ رونے، بلکنے کا انداز سے

(۵۳)

نازنین تھی، خوبرو تھی، جود و سخا کی یادگار تھی تو
درحقیقت گذشتہ خاک نشینوں کی یادگار تھی تو

(۵۴)

لحد پہ نورِ الٰہی، قبر کی کشادگی
بتاتی ہے، تو جنت میں ہے سوئی

(٥٥)

مالک یہی جزا مجھے روزِ جزا ملے!

جنت میں دل بہلانے کو میری صالحہ ملے

ختم شُد